

بیادگار: حضرت مولانا سید محمد ثانی حسنی رحمۃ اللہ علیہ

خواتین کا ترجمان

ماہنامہ
لکھنؤ

شمارہ نمبر ۱۱

جلد نمبر ۲۳

نومبر ۲۰۱۹ء
November 2019

سالانہ زر تعاون

برائے ہندوستان : ۳۰۰ روپے
غیر ملکی ہوائی ڈاک : ۳۰ امریکی ڈالر
نی شمارہ : ۳۰ روپے
لائف ٹائم خریداری : ۸۰۰۰ روپے

نوٹ

خط و کتابت کرتے وقت اپنا خریداری نمبر اور مکمل صاف پتہ ضرور لکھیں، اگر مدت خریداری کے ختم ہونے کے وقت کی پرچہ پتہ کی چٹ پر لگی ہو تو براہ کرم مدت خریداری ختم ہوتے ہی رقم ارسال فرمائیں۔ (نمبر)

ایڈیٹر

محمد حمزہ حسنی

مجلس ادارت

میونہ حسنی
عائشہ حسنی
جعفر مسعود حسنی
محمود حسن حسنی

ذراقت پسر RIZWAN MONTHLY لکھنؤ

زر تعاون اور خط و کتابت کا پتہ

Rizwan (Monthly)

172/54, Mohammad Ali Lane
Gwynne Road Lucknow
Pin:226018- Mobile: 9415911511

ماہنامہ رضوان

۱۷۲/۵۴، محمد علی لین گوئن روڈ لکھنؤ

پن کوڈ: ۲۲۶۰۱۸ - موبائل: ۹۴۱۵۹۱۱۵۱۱

ایڈیٹر، پرنٹر، پبلشر محمد حمزہ حسنی نے مولانا محمد ثانی حسنی فاؤنڈیشن کے لیے نظامی آفسیٹ پریس میں چھپوا کر دفتر رضوان محمد علی لین سے شائع کیا

E-Mail : azizpaitepuri@gmail.com

کمپوزنگ: ناشر کمپیوٹر، لکھنؤ۔ فون: 9792913331

فہرست مضامین



- 5 اپنی بہنوں سے مدیر
- 6 حدیث کی روشنی میں امة اللہ تسنیم
- 8 نفرت کا علاج مولانا خالد سیف اللہ رحمانی
- 12 نیشن سے دھواں اٹھتا ہے تم کہتے ہو ساون ہے ... پروفیسر محسن عثمانی ندوی
- 15 عورت کی عصمت کا محافظ اسلام یا لبرازم؟ فہیم حسین
- 17 بیوی کی اخلاقی ذمہ داریاں محمد جمیل اختر جلیلی ندوی
- 20 بیٹیوں اور بیٹوں کے نام سید علی گیلانی
- 24 طہارت و نظافت اسلام کا طرہ امتیاز مفتی محمد عبداللہ قاسمی
- 27 نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات ڈاکٹر نجیب قاسمی
- 31 بچوں کی تربیت میں کوتاہی پروالدین مولانا محمد جہان یعقوب
- 32 اسلام میں بیوی کے حقوق رانا اعجاز حسین
- 34 جھوٹ ایک عظیم گناہ سرفراز احمد ملی القاسمی
- 35 سوال و جواب مفتی راشد حسین ندوی
- 36 میں نے اسلام کیوں قبول کیا؟ ام سفیان
- 40 آخری صفحہ مولانا قمر الزماں ندوی



اپنی بہنوں سے

آج ہم کو اور سب کو یہ شکایت ہے کہ مسلمان لڑکیاں تیزی سے بے پردگی اور آزاد خیالی کی طرف جارہی ہیں اور بعض جگہ تو شرم و حیا کے دام حدود کو پھلانگ کر آزادی اور نفسانی خواہشات کے سمندر میں کودتی جارہی ہیں جس کی وجہ سے پورا معاشرہ سنگین صورت حال سے دوچار ہوتا جا رہا ہے اور نصف انسانیت تباہی و بربادی کا شکار ہو رہی ہے۔

اسلامی اقدار اور ماحول سے بیگانہ ہو کر مغربی تہذیب کے گندے تالاب میں ڈوب جانا اور اسی کو اصل تہذیب سمجھنا ایسا ہی ہے جیسے کوئی صاف و شفاف پانی میں نہانے کے بجائے کسی جوہڑ میں ڈبکی لگانے لگے اور غلاظت صاف کرنے کے بجائے مزید گندگی اپنے بدن میں لگائے۔

اچھا معاشرہ اچھی ماں کی گود میں پل کر بنتا ہے اس سے جب بھی عورت میں بگاڑ آئے گا، تو لازماً اس کے بچوں کی دل و دماغ اس کے اثرات قبول کریں گے اور پھر وہ بڑے ہو کر اس وبا کو پھیلائیں گے۔

اس طرف ہر دردمند عورت کو توجہ کرنا چاہئے، ہمارے وہ بہنیں جو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی وفادار ہیں ان کی خاصی ذمہ داری ہے کہ وہ اس میدان عمل میں کام کریں اور اپنی دوسری بہنوں کو ہاتھ پکڑ پکڑ کر اس گندگی سے بچائیں اور ان کو ان کا دینی فریضہ یاد دلائیں اور اسلامی طرز معاشرت اختیار کرنے کی تلقین کریں۔ اسی طرح یہ سیلاب بلا خیز رک سکتا ہے یہ کام بہنوں کے کرنے کا ہے اور ان ہی کے کرنے سے ہوگا بھی اور ان کے کہنے سے اثر بھی زیادہ ہوگا۔



کے علاوہ کسی ذمہ دار یا حاکم سے جو ظلم روکنے اور انصاف کرنے کی قدرت رکھتا ہو، مظلوم یہ کہہ سکتا ہے کہ فلاں اور فلاں نے مجھ پر اس طرح ظلم کیا ہے۔

۲- کسی کو برائی سے باز رکھنے اور گناہ سے بچانے اور سیدھے راستہ پر لانے کے لئے ایسے شخص سے کہنا جو برائی سے روکنے

پر قدرت رکھتا ہو، اس سے یہ کہہ سکتا ہے کہ فلاں یہ یہ کام کرتا ہے آپ اس کو منع کیجئے لیکن مقصود صرف برائی کو دور کرنا ہوا اگر یہ مقصد نہیں تو پھر حرام ہے۔

۳- مفتی سے کہنا کہ میرے باپ یا میرے بھائی یا میرے شوہر فلاں نے مجھ پر اس طرح ظلم کیا ہے، اب کس طرح میں نجات حاصل کروں کس طرح اپنا حق لوں، یا کس طرح اس ظلم کو دفع کروں، جائز ہے لیکن بہتر اور افضل یہ ہے کہ نام نہ لے، اس طرح کہے آپ ایسے آدمی کے بارے میں کیا کہتے ہیں جس نے اس طرح ظلم کیا تو اس سے اس کی غرض بغیر اس شخص کا نام لئے حاصل ہو جائے گی اور نام لینا بھی جائز ہے جس کا عنقریب حضرت ہند کی حدیث میں ذکر آئے گا۔

۴- مسلمانوں کو کسی شر سے بچانے اور ان کی خیر خواہی کرنے کی غرض سے غیبت جائز ہے مثلاً کمزور راوی کے بارے میں یہ کہہ سکتا ہے کہ راوی کمزور ہے غیر معتبر ہے یا گواہ کے متعلق یہ کہہ سکتا ہے کہ یہ گواہ جھوٹا

غیبت نہ سننے کا بیان

تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے لا اللہ الا اللہ کہے۔ (بخاری، مسلم)

حضرت کعب بن مالک سے ان کی لمبی حدیث میں جو توبہ کے باب میں آچکی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کے مجمع میں توبت میں بیٹھے ہوئے تھے فرمایا کعب بن مالک کا کیا حال ہے؟ بنی سلمہ کے ایک آدمی نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو اپنی چادر اور جھک جھک کر اپنے پہلوؤں کے دیکھنے نے اس کی فرصت کہاں دی کہ وہ آتے۔ حضرت معاذ بن جبل نے کہا تم نے بری بات کہی، خدا کی قسم یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم ان میں بھلائی کے سوا کچھ نہیں پاتے، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش رہے۔ (بخاری، مسلم)

کن مواقع پر غیبت کرنا جائز جاننا چاہئے کہ غیبت کسی غرض سے جو شرعاً صحیح ہو جب کہ بغیر غیبت کے غرض تک پہنچانا ممکن ہو مباح و جائز ہے لیکن اس کے چھ اسباب ہیں۔

۱- بادشاہ سے یا قاضی سے یا ان دونوں

مسلمان کی حمایت

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے اپنے مسلمان بھائی کی آبرو کی حمایت (یعنی کوئی شخص مسلمان بھائی کی عیب جوئی کرتا ہو یہ سن کر اس کی بات کا جواب دے اور اس کو رد کر کے اس عیب سے اپنے مسلمان بھائی کو بری کر دے) کی تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کے منہ سے دوزخ کی آگ دور رکھے گا۔ (ترمذی)

مسلمان کی پہچان

حضرت عثمان بن مالک سے ان کی لمبی حدیث میں جو باب الرجا میں آچکی ہے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھنے کو کھڑے ہوئے تو فرمایا مالک ابن وحشم کہاں ہیں۔ ایک آدمی نے عرض کیا وہ منافق ہیں، ان کو اللہ اور اس کے رسول سے محبت نہیں آپ نے فرمایا ایسی بات نہ کہو، تم نہیں جانتے ہو کہ انہوں نے اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے کلمہ پڑھا ہے اور اس شخص پر آگ حرام ہے جو اللہ

تمام علماء کا اتفاق ہے۔

احادیث

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے آنے کی اجازت چاہی۔ آپ نے فرمایا اس کو اجازت دے دو، اور فرمایا یہ اپنی قوم میں سے برا آدمی ہے۔ (بخاری، مسلم)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا فلاں اور فلاں کے متعلق میرا گمان ہے کہ وہ ہمارے دین کو کچھ نہیں جانتے۔ (بخاری)

حضرت لیث بن سعد جو اس حدیث کے راوی ہیں وہ کہتے ہیں کہ یہ دونوں شخص منافی تھے۔

حضرت فاطمہ بنت قیس سے روایت ہے کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئی اور عرض کیا یا رسول اللہ ابوالجہم اور معاویہ نے مجھ کو نکاح کا پیغام دیا ہے۔ آپ نے فرمایا معاویہ غریب آدمی ہیں ان کے پاس پیسہ نہیں اور ابوالجہم اپنے کاندھے (کاندھے سے لکڑی نہ اتارنے کا مقصد ہے کہ عورتوں کو مارتے ہیں اور بعض نے یہ معنی لئے ہیں کہ سفر بہت کرنے والے ہیں) سے لکڑی نہیں اتارتے۔ (بخاری، مسلم)

○○○

بھلا ہے، یا ایسی ہی کوئی بات ہے تو اس کی برائی ایسے شخص سے کر دینا واجب ہے جو اس کا افسر ہے اس کی اصلاح کر سکتا ہے اور اگر اصلاح نہیں کر سکتا تو کم از کم اس کی طبیعت کو پہچان لے گا تا کہ اس کی حالت کے مطابق فیصلہ کرے دھوکہ میں نہ رہے اور کوشش کرے کہ وہ سیدھے راستہ پر قائم رہے یا پھر اس کو اس عہدہ سے ہٹا دے۔

۵- اعلانیہ گناہ کرنے والے کا نام لے کر ذکر کر سکتا ہے۔ جیسے کوئی بد معاش ہے یا کھلا ہوا بدعتی ہے یا کھلم کھلا شراب پینے والا ہے، یا لوگوں کا مال غصب کرنے والا ہو، یا چنگلی لینے والا ہو یا ظلمائیکس وصول کرنے والا، یا ناجائز کام پر کوئی مقرر ہے ایسی صورتوں میں اس کے عیب کا ذکر کرے جو اس میں اعلانیہ موجود ہے، اس کے علاوہ اگر دوسری بات کا ذکر کیا تو حرام ہے۔

۶- کسی میں کوئی عیب ہے اور وہ اسی عیب کی وجہ سے پہچانا جاتا ہے مثلاً چندھا ہے یا لنگڑا ہے، یا بہرہ یا اندھا ہے، یا بھینگا ہے اب بغیر اس عیب کو بتائے ہوئے کوئی پہچان نہیں سکتا تو اس کا عیب بیان کرنا جائز ہے جیسے فلاں اندھا، یا فلاں لنگڑا، مگر مقصد صرف پہچوانا ہو اور اس کے علاوہ اگر کوئی اور نیت ہے مثلاً جنک وغیرہ تو جائز نہیں، اس کے ساتھ بھی اگر اس کو کسی صفت یا لقب سے پہچوا سکے تو اس عیب سے اس کا تعارف نہ کرائے، یہ چھ اسباب ہیں جن پر

ہے۔ ایسی غیبت کے جائز ہونے بلکہ واجب ہونے پر تمام مسلمانوں کا اتفاق ہے۔ یا کسی نے مشورہ کیا کہ فلاں عورت یا مرد سے شادی کرنے کا ارادہ ہے تو وہ تمہارے نزدیک کیسا ہے۔ یا کسی کو تجارت میں شریک کرنے کا خیال ہے یا امانت رکھانے کا خیال ہے یا کوئی اور معاملہ کرنا ہے یا کسی پڑوسی کے متعلق مشورہ کیا کہ وہ کیسا ہے تو جس سے مشورہ لیا جائے اس پر واجب ہے کہ تمام بات بتا دے، کچھ چھپائے نہیں جو جو برائیاں ہوں وہ ظاہر کر دے مثلاً شرکت نہ کرو وہ مال کھا جائے گا یا امانت نہ رکھو وہ خائن ہے خیانت کرے گا یا فلاں مرد یا فلاں عورت سے شادی نہ کرو، اس میں عیب ہے مگر صرف خیر خواہی کی نیت ہو اور انہیں وجہ میں سے ایک وجہ یہ بھی ہے کہ کوئی طالب علم بدعتی یا فاسق کے پاس علم حاصل کرنے جاتا ہو اور کوئی شخص ڈرے کہ اس سے اس کو دینی نقصان پہنچے گا تو خیر خواہی کی نیت سے اس کا حال بیان کر دینا لازم ہے مگر اس شرط پر کہ خیر خواہی کی نیت ہو۔ ایسا نہ ہو کہ حسد نے اس کو اس آیت پر آمادہ کیا ہو اور شیطان نے یہ خیال پیدا کر دیا ہو کہ وہ خیر خواہی ہے۔ حالانکہ وہ حسد ہو تو اس پر خوب غور کر لینا چاہئے، یا کسی منزل یا حاکم کے بارے میں کہ وہ سیدھے رستہ پر نہیں ہے یا تو وہ لائق نہیں یا فاسق ہے یا بھولا

نفرت کا علاج

وقت برادران وطن کی صورت حال یہی ہے، اس ملک میں صدیوں سے مختلف قومیں آباد رہی ہیں اور انہوں نے شیر و شکر ہو کر اس ملک کی خدمت کی ہے، مختلف مسلمان خاندانوں نے کم و بیش آٹھ سو سال اس ملک پر حکومت کی ہے، ان کی فوج اور رعایا میں ہندو، مسلمان اور مختلف مذاہب سے تعلق رکھنے والے لوگ موجود تھے، اگر وہ ایک دوسرے سے نفرت کرنے والے ہوتے تو کیسے اتنے وسیع ملک میں یہ حکومتیں قائم رہتیں اور امن و امان کا دور دورہ ہوتا؟ اس لئے سچائی یہی ہے کہ انگریزوں کے تسلط سے پہلے تک یہاں محبت اور بھائی چارہ کی عام فضا تھی، بد قسمتی سے بعض فرقہ پرست گروہوں کو یہ بات پسند نہیں ہے، اس لئے انہوں نے ملک کے طول و عرض میں نفرت کا بیج بونا شروع کر دیا ہے اور اب یہ زہر بلا پودا دن بدن تباہ ہوتا جا رہا ہے، بیماری کا علاج عام طور پر اس کی ضد سے ہوتا ہے، گرمی کا اثر دور کرنے کے لئے ٹھنڈی چیز دی جاتی ہے اور ٹھنڈک سے بچاؤ کے لئے گرم چیز استعمال کی جاتی ہے، شوگر کے مریض کو کڑوی غذا دی جاتی ہے، اگر گرمی کے اثر سے بیمار ہونے والے شخص کو مزید گرم چیزیں اور ٹھنڈک کے مریض کو اور بھی ٹھنڈی چیزیں دی جائے، یا شوگر کے مریض کو اور بھی میٹھی چیزیں کھلائی جائیں تو

وہ اپنے لئے بھی محبت کا بھوکا ہوتا ہے، وہ چاہتا ہے کہ ماں باپ، بال بچے، شوہر اور بیوی، خاندان کے لوگ یہاں تک کہ سماج کے تمام لوگ اسے محبت کی نظر سے دیکھیں، بعض دفعہ انسان کا دل پتھر کی طرح سخت ہو جاتا ہے، لیکن محبت کی آج اسے بھی موم بنا دیتی ہے، طاقت اور زور زبردستی کے ذریعہ جو بات نہیں منوائی جا سکتی تھی، محبت کے دو بول اور خوش اخلاقی کے اظہار کے ذریعہ وہ بات منوائی جاتی ہے، انسان کی یہ فطرت اسی وقت معطل ہوتی ہے، جب تعصب، تنگ نظری، غلط فہمی و بدگمانی اور پروپیگنڈہ انسان کے دل و دماغ کو نفرت کی آماجگاہ بنا دیتا ہے، لیکن عام طور پر انسان کے اندر یہ کیفیت وقتی طور پر پیدا ہوتی ہے، جیسے صابن میل کچیل کو صاف کر دیتا ہے، اس طرح حسن اخلاق دل کے غبار کو دھو دیتا ہے۔

محبت اور حسن اخلاق تو ہر انسان کے ساتھ ضروری ہے، لیکن اگر کوئی شخص یا گروہ آپ کے بارے میں غلط فہمی کا شکار ہے تو اس کے ساتھ بہتر رویہ اختیار کرنے کی زیادہ ضرورت ہے، ہندوستان میں اس

اللہ تعالیٰ نے انسان کی فطرت میں اُس اور محبت کا جذبہ ودیعت فرمایا ہے، وہ محبت کرتا بھی ہے اور محبت چاہتا بھی ہے، اگر تعصب اور عناد کا نشہ اس پر چڑھا ہوا نہ ہو تو فطرت اسے مجبور کرتی ہے کہ وہ دوسروں کے ساتھ محبت سے پیش آئے، اس میں خاندان، زبان، علاقہ اور مذہب رکاوٹ نہیں بنتی، اگر سڑک پر کوئی حادثہ پیش آ جائے اور کوئی زخمی تڑپ رہا ہو تو ہر شخص مدد کے لئے اس کی طرف بڑھتا ہے، خواہ وہ ہندو ہو یا مسلمان، گورا ہو یا کالا، مرد ہو یا عورت، کسی زبان کا بولنے والا یا کسی مقام کا رہنے والا ہو، اگر کسی گھر میں آگ لگ جائے تو ہر شخص آگ بجھانے کو دوڑتا ہے، اور اپنی اپنی صلاحیت کے مطابق اس میں شامل ہوتا ہے، یہ بات نہیں دیکھی جاتی کہ یہ مکان کس کا ہے، اور اس کا تعلق کس گروہ سے ہے؟ یہی اصل انسانی فطرت ہے، اگر انسان اس جذبہ سے محروم ہو جائے تو پھر انسانی سماج اور اس جنگل کے درمیان کچھ فرق باقی نہیں رہے گا، جس میں درندے رہتے ہیں۔

جیسے انسان خود محبت کرتا ہے، اسی طرح

ظاہر ہے کہ اس سے بیماری میں اضافہ تو ہوگا، بیماری دور نہیں ہو سکے گی، اسی طرح اگر نفرت کے رد عمل میں نفرت ہی کا اظہار ہو تو ہر طرف نفرت ہی کے کانٹے اُگ آئیں گے محبت کے پھول کہیں باقی نہیں رہیں گے، اس لئے مسلمانوں کا فریضہ ہے کہ وہ اس نفرت انگیز مہم کا جواب محبت اور اخلاق کے ذریعہ دیں اور اس تدبیر کے ذریعہ ماحول کو بدلنے کی کوشش کریں۔

اس سلسلہ میں روزمرہ کی چند قابل توجہ اور ضروری باتیں یہ ہیں:

(1) اکثر و بیشتر آپ کے مکان و دوکان کے قریب غیر مسلم پڑوسی ہوتے ہیں، ان کے ساتھ بہتر سلوک کیجئے، اللہ تعالیٰ نے خصوصی طور پر پڑوسیوں کے ساتھ بہتر سلوک کا حکم فرمایا ہے۔ (النساء: 63)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: حضرت جبرئیل علیہ السلام مجھے پڑوسی کے بارے میں اس قدر تلقین کرتے ہیں کہ گمان ہوتا ہے کہ کہیں ان کو وارث نہ بنا دیا جائے۔ (بخاری، باب الوصاة بالجار، حدیث نمبر: 6014، مسلم، باب الوصیة بالجار والاحسان الیہ، حدیث نمبر: 663)

حدیث کے شارحین نے لکھا ہے کہ اس میں مسلمان، غیر مسلم، عبادت گزار، فاسق، اجنبی، ہم وطن، نقصان پہنچانے والا، فائدہ پہنچانے والا، رشتہ دار، غیر رشتہ دار، قریب

کے گھر والے اور دور کے گھر والے سب شامل ہیں۔ (تحفۃ الاحوذی: 6/26)

ایک حدیث میں ہے کہ پڑوسی تین طرح کے ہیں، ایک: ایسا غیر مسلم پڑوسی جس سے رشتہ داری نہ ہو۔ اس کا ایک حق ہے۔ دوسرے: مسلمان پڑوسی، اس کے دو حقوق ہیں۔ تیسرے: مسلمان رشتہ دار پڑوسی۔ اس کے تین حقوق ہیں۔ (شعب الایمان، اکرام الجار، حدیث نمبر 9113)

پڑوسیوں کے ساتھ حسن سلوک میں یہ بات بھی شامل ہے کہ وہ آپ کی طرف سے مطمئن ہو، اس کو یہ اندیشہ نہ ہو کہ آپ کی ذات سے اس کو نقصان پہنچے گا: چنانچہ ایک موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین بار ارشاد فرمایا: خدا کی قسم وہ مومن نہیں ہو سکتا، صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: کون اے اللہ کے رسول؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس کا پڑوسی اس کے شر سے مامون نہ ہو۔ (بخاری، باب اثم من لایامن جارہ بوائفہ، حدیث نمبر 6016، مسلم، باب بیان تحریم ایذاء الجار، حدیث نمبر 170)

پڑوسی کے ساتھ حسن سلوک میں یہ بھی شامل ہے کہ آپ کے یہاں کوئی اچھی چیز کپے اور غیر مسلم پڑوسی وہ کھاتا ہو، تو اس کے گھر بھیج دیا کریں، حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کے بارے میں مروی ہے کہ آپ کے یہاں ایک بکری ذبح کی گئی تو خاص طور پر اس میں سے پڑوس میں رہنے

والے یہودی کو تحفہ بھیجنے کا حکم دیا۔ (تحفۃ الاحوذی: 6/62) اس بات کا خیال رکھنا چاہئے کہ آپ کے کسی عمل سے آپ کے غیر مسلم پڑوسی کو کوئی تکلیف نہ پہنچے، چنانچہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد منقول ہے کہ جو اللہ پر اور آخرت پر ایمان رکھتا ہو، وہ اپنے پڑوسی کو تکلیف نہ پہنچائے: "من کان یؤمن باللہ و الیوم الآخر فلا یؤذی جارہ"۔ (بخاری، حدیث نمبر 6018)

(2) پڑوسی کی ایک خاص صورت وہ ہے، جس کو قرآن مجید میں "صاحب الجنب" سے تعبیر کیا گیا ہے، اس سے ایسے لوگ مراد ہیں، جن سے تھوڑی دیر کا ساتھ ہو، جیسے سفر کا ساتھی، کلاس کا ساتھی، دفتر اور پیشے کا ساتھی وغیرہ۔ (مفتاح الغیب: 10/77) ان کے ساتھ بھی خاص طور پر اللہ تعالیٰ نے بہتر سلوک کا حکم فرمایا ہے، جن ملکوں میں مسلمان اقلیت میں ہیں، وہاں قدم قدم پر غیر مسلم بھائیوں کا ساتھ ہوتا ہے، خاص کر جہاز میں، ٹرین میں، بس میں، ان مواقع پر ان کے ساتھ خوش اخلاقی کا ثبوت دیتے ہیں، ان کا سامان اٹھانے میں، سامان رکھنے میں، یا سامان اتارنے میں اگر آپ کی مدد کی ضرورت ہو تو خود سے بڑھ کر مدد کرنے کی کوشش کیجئے، اگر ان کے ساتھ کوئی مریض یا بوڑھا شخص ہو، یا خاتون اور بچے ہوں اور آپ کی سیٹ ان کے لئے

زیادہ موزوں ہو سکتی ہے تو ایثار سے کام لیجئے اور خود تھوڑی سی زحمت برداشت کر لیجئے، چائے یا کھانے پینے کی ہلکی پھلکی چیز منگائیے تو ان کو بھی شامل ہونے کی دعوت دیجئے، ہر قیمت پر جھگڑے ٹکرا سے بچئے، جو بڑے ہیں ان کو ان کی عمر کے لحاظ سے چچا، نانا، خالہ اور نانی وغیرہ کے لفظ سے، جو برابر عمر کے ہیں ان کو بھائی کے لفظ سے اور جو کافی چھوٹے ہیں، ان کو ان کی عمر کے لحاظ سے مخاطب کیجئے، کسی بوڑھے آدمی کو آپ کے سہارے کی ضرورت ہو تو بڑھ کر سہارا دے دیجئے۔

آپ کا یہی سلوک ان لوگوں کے ساتھ ہونا چاہئے، جو آپ کے آنسوؤں کے یا کلاس کے ساتھی ہیں، یہ تھوڑا سا حسن سلوک ان کے دل پر گہرا نقش چھوڑے گا اور مسلمانوں کے بارے میں ان کے ذہن میں ایک اچھی تصویر ابھرے گی، اور یہ بات خاص طور پر ذہن میں رکھیں کہ اگر وہ آپ کے کسی بات یا کسی عمل کو پسند کریں تو آپ بتائیں کہ یہ میری ذاتی خوبی نہیں ہے، یہ ہمارے مذہب کی تعلیم ہے، اس لئے ہم نے جو کچھ کیا ہے، اپنا فریضہ ادا کیا ہے۔

(3) محبت کا ایک اہم ذریعہ تحائف کا لین دین بھی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ایک دوسرے کو تحفہ دو، اس سے ایک دوسرے سے محبت پیدا ہوتی ہے: تهادوا تحابوا (ادب

المفرد، عن ابی ہریرۃ، باب قبول الہدیۃ، حدیث نمبر: 594) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غیر مسلموں کا ہدیہ قبول بھی فرمایا ہے اور ان کو ہدیہ دیا بھی ہے، امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے:

اس میں کوئی حرج نہیں کہ مسلمان کسی حربی یا ذمی غیر مسلم کو تحفہ دے اور اس کا تحفہ قبول کرے، اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قطب کے موقع پر پانچ سو دینار مکہ بھیجا اور حکم دیا کہ اسے سفیان بن حرب اور صفوان بن امیہ کے حوالہ کیا جائے، تاکہ وہ اسے مکہ کے فقراء پر تقسیم کریں اور اس لئے کہ صلہ رحمی ہر دین میں قابل تعریف ہے اور دوسرے کو تحفہ دینا مکرم اخلاق میں سے ہے۔ (رد المحتار: 2/352، بحوالہ سیر کبیر)

اس لئے وقتاً فوقتاً جان پہچان کے غیر مسلم بھائیوں اور دوستوں کو تحفہ پیش کرنا چاہئے، خاص کر ان مواقع پر جن میں تحائف پیش کئے جاتے ہیں، جیسے: شادی، بچہ کی پیدائش، تعلیم کی تکمیل، کسی اعزاز کا حاصل ہونا وغیرہ، اسی طرح اگر خود آپ کے یہاں کوئی خوشی کی بات پیش آئے، آپ کسی اہم سفر سے واپس آئیں، یا اس طرح کا کوئی اور موقع ہو، جس میں آپ اپنے دوستوں کو تحائف دیتے ہوں تو ایسے موقع پر غیر مسلم دوست کو فراموش نہ کریں، یہ بات انشاء اللہ محبت کی تخم بونے کا ذریعہ بنے گی اور سماجی زندگی میں خوشگوار تعلقات

قائم ہو سکیں گے۔

(4) اسی طرح ایک عمل دعوت اور مہمان نوازی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مہمان نوازی کی ترغیب دی ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو اللہ پر اور آخرت پر ایمان رکھتا ہو، وہ مہمان کا اکرام کرے: "من كان يؤمن بالله واليوم الآخر فليكرم ضيفه." (بخاری، عن ابی ہریرۃ، حدیث نمبر: 6018) مہمان کی دونوں شکلیں ہو سکتی ہیں: ایک یہ کہ آپ کی دعوت کے بغیر کوئی شخص خود آپ کا مہمان بنے۔ دوسری شکل یہ ہے کہ آپ دعوت دے کر کسی کو اپنا مہمان بنائیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے یہاں غیر مسلم بھائیوں کی ضیافت کی دونوں صورتیں ملتی ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بدر کے قیدیوں کے ساتھ مہمان جیسا سلوک فرمایا، بنو نجران کے عیسائی وفد کو مسجد نبوی میں ٹھہرایا اور اپنا مہمان بنایا اور بھی بہت سے غیر مسلم وقتاً فوقتاً آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مہمان بنا کرتے تھے، بلکہ 9 ہجری تو "عام الوفود" ہی کہلاتا ہے، جس میں غیر مسلموں کے بہت سے وفد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے تبادلہ خیال کیا، ایمان لائے، یا معاہدات کئے، یہ سب آپ کے مہمان ہوتے تھے۔ 7 ہجری میں عمرۃ القضاء کے موقع پر آپ صلی اللہ علیہ

وسلم نے حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے مکہ مکرمہ میں نکاح فرمایا، اور اہل مکہ کو دعوت دی کہ وہ ولیمہ میں شرکت کریں، یہ اور بات ہے کہ انہوں نے شرکت کرنے سے انکار کر دیا۔ (فتح الباری: 9/238)

جیسے آپ نے غیر مسلموں کی دعوت اور ضیافت فرمائی ہے، اسی طرح آپ نے خود بھی غیر مسلموں کی دعوت قبول کی ہے، اس سلسلہ کا ایک مشہور واقعہ یہ ہے کہ ایک یہودی خاتون نے آپ کو مدعو کیا اور کھانے میں زہر ملا دیا، جس کا اثر مرض وفات تک آپ پر رہا، یہ بات بھی ثابت ہے کہ آپ نے بعض غیر مسلم قبائل سے جن شرطوں پر معاہدہ کیا، ان میں ایک شرط یہ بھی تھی کہ جو مسلمان اس علاقہ سے گزریں گے، وہ اس کی میزبانی کریں گے، کیونکہ اس زمانہ میں آج کل کی طرح ہوٹل اور بازار موجود نہیں تھے اور عربوں کے رواج میں مقامی لوگوں کی ذمہ داری ہوتی تھی کہ وہ مسافروں کے لئے کھانے کا انتظام کریں۔

لہذا اپنی سماجی تقریبات میں غیر مسلم بھائیوں کو مدعو کیجئے، جیسے ولیمہ، عقیدہ، یا کسی خوشی کے موقع پر جب دعوت کا اہتمام کیا جائے، بلکہ افراد کے ساتھ ساتھ اداروں اور تنظیموں کو بھی اس کا اہتمام کرنا چاہئے، مسلمانوں کی مذہبی تنظیموں، دینی مدارس اور دوسرے اداروں کو چاہئے کہ اگر کوئی دشواری نہ ہو تو اپنے جلسوں اور پروگراموں

میں غیر مسلم مذہبی عقائد کو بحیثیت مقرر اور عام غیر مسلم بھائیوں کو بحیثیت سامعین مدعو کریں، اسی طرح اگر غیر مسلم احباب دعوت دیں اور اس دعوت کا تعلق سماجی تقریبات سے ہو تو اس میں شرکت کریں اور مبارکباد دیں، یہ آمدورفت اور ملاقاتیں فاصلوں کو کم کریں گی اور خوشگوار تعلقات کا ذریعہ بنیں گی۔

(5) ہدیہ اور تحفہ تو اظہار تعلق کے لئے دیا جاتا ہے؛ لیکن اگر کوئی چیز ثواب کی نیت سے دی جائے تو اسی کو ”صدقہ“ کہتے ہیں، صدقہ جیسے مسلمان پر کیا جاسکتا ہے، غیر مسلموں پر بھی کیا جاسکتا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک موقع پر صحابہ رضی اللہ عنہم سے فرمایا کہ وہ صرف مسلمانوں ہی پر صدقہ کریں، اسی موقع پر یہ آیت نازل ہوئی کہ غیر مسلموں کو ہدایت دینا آپ کی ذمہ داری نہیں ہے اور مسلمانوں سے فرمایا گیا کہ تم جو بھی خیر کے لئے خرچ کرو گے تم کو اس کا پورا پورا اجر دیا جائے گا: **وَمَا تَنْفَقُوا مِنْ خَيْرٍ يُؤْتِكُمُ** (البقرہ: 272) چنانچہ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمام ہی مذاہب والوں پر صدقہ کیا کرو: **تَصَدَّقُوا عَلَىٰ أَهْلِ الْأَدْيَانِ** (نصب الرایہ: 398/2) چنانچہ سعد بن میتب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودیوں کے ایک خاندان پر

صدقہ فرمایا۔ (حوالہ سابق) اسی لئے اس پر توافق ہے کہ نفل صدقات غیر مسلموں کو بھی دیئے جاسکتے ہیں، لیکن امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک صدقات واجبہ بھی غیر مسلموں کو دیئے جاسکتے ہیں، صرف زکوٰۃ کے لئے یہ حکم ہے کہ وہ مسلمانوں سے لی جائے اور مسلمانوں پر خرچ کی جائے۔ (تیسین الحقائق: 1/300)

اس سے معلوم ہوا کہ غیر مسلم بھائیوں کو صدقۃ الفطر دیا جاسکتا ہے، ان کو قربانی کا گوشت دیا جاسکتا ہے، اگر کسی چیز کی غریبوں کے لئے نذر مانی گئی ہو تو اس کو غیر مسلموں پر بھی خرچ کیا جاسکتا ہے، عملی زندگی میں اس کا خیال رکھنا چاہئے بالخصوص قدرتی آفات، جیسے زلزلہ، سیلاب اور طوفان وغیرہ کے لئے ریلیف میں غیر مسلم بھائیوں کو شریک رکھنا چاہئے، اسی طرح اگر کوئی غیر مسلم بیمار ہو تو اس کی علاج میں مدد کرنا، لڑکی کی شادی میں تعاون کرنا، یتیموں اور بیواؤں کے ساتھ حسن سلوک کرنا، تعلیم میں مدد کرنا، یہ سب کارِ ثواب ہے اور ایسا نہیں ہے کہ غیر مسلموں کے ساتھ اگر یہ سلوک کیا جائے تو اس پر اجر حاصل نہیں ہوگا، ہمیں روزمرہ کی زندگی میں اسلام کی ان تعلیمات کا لحاظ رکھنا چاہئے، تاکہ برادران وطن محسوس کریں کہ مسلمان صرف اپنے لئے نہیں سوچتا ہے، بلکہ وہ پوری انسانیت کے لئے سوچتا ہے۔ ○○



حالات اتنے زیادہ خراب نہ ہو جائیں کہ لوگ کہنے لگیں کہ اسپین کی تاریخ دہرائی گئی ہے۔ لوگ کہنے لگیں کہ یہ وہ مظالم ہیں، جو بخت نصر نے تاریخ میں بنی اسرائیل پر کئے تھے، لوگ کہنے لگیں کہ تاتاریوں کے مظالم کی یاد آنے لگی ہے، جن کے ذکر سے پتھر کا کلیجہ بھی شق ہو جاتا ہے۔ جب شہر بغداد بے چراغ ہو گیا تھا اور خراسان کا نام و نشان مٹ گیا تھا۔ افسوس کہ ”نام نہاد“ مفکر اسلام کو یہ خطرات نظر نہیں آتے ہیں اور وہ فرماتے ہیں کہ حالات پہلے سے بہتر ہیں اور بیمار کا حال اچھا ہے۔

راقم سطور کو اللہ نے یہ توفیق دی کہ وہ ملک اور بیرون ملک، ہندوستان اور عالم اسلام کے حالات کا گہرا تجزیہ کرے اور انہیں اپنی تحریروں کا موضوع بنائے، اس کی نئی اور اہم کتاب ”موجودہ حالات میں مسلمان کیا کریں“ ہڈی بک پبلیشر پرانی حویلی حیدرآباد سے چند روز پہلے شائع ہوئی ہے۔ اس میں حالات کا تاریخی تجزیہ ہے اور مستقبل کی منصوبہ بندی ہے۔ حالات کے گہرے تجزیے سے معلوم ہوتا ہے کہ گذشتہ ایک صدی سے فرقہ واریت کے زہر کو اکثریت کے دل و دماغ میں اتارنے کی پوری کوشش کی گئی اور اقلیت نے اس زہر کا تریاق مہیا نہیں کیا، مسلمان قائدین نے تعصب کی آگ کو بجھانے کی کوشش نہیں کی۔ مسلم علماء نے اور مسلم تنظیموں نے

اپنی کوششوں کا دائرہ مسلمانوں تک محدود رکھا۔ یہ امت جسے خیر امت کا تمغہ امتیاز عطا کیا گیا تھا، اس نے قرآن کی تصریح ”اخرجت للناس“ کو بدل کر ”اخرجت للمسلمین“ کو اپنا ہدف قرار دے دیا۔ مسلمانوں اور غیر مسلموں کے درمیان اب رابطہ ٹوٹ چکا ہے، مسلمانوں کی تمام سرگرمیاں مسلمانوں کے درمیان محدود ہو کر رہ گئیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ قرآن میں جنہیں ”ناس“ (اخرجت للناس) کہا گیا تھا وہ مسلمانوں سے اور اسلام سے مانوس اور نا آشنا ہوتے چلے گئے، باہمی انسیت ختم ہو گئی، شکوک و شبہات کی دیواریں بلند ہونے لگیں اور حالت بائس جار سید کہ جنہیں ”ناس“ کہا گیا تھا، وہ مسلمانوں سے نامانوس ہوئے، اسلام کے ناشناس بنے اور اسلام کے پیغام ناشناس نہ بن سکے۔ جب اسلام سے دوری اور صداقت سے بھوری کا عرصہ طویل ہو گیا تو اسلام اور مسلمانوں سے بدگمانی بڑھتی گئی، عددی قوت کا زعم بھی بڑھتا گیا۔ مسلمانوں سے انتقام کی آگ بھڑکتی گئی۔ شرک اور بت پرستی نے توحید کے خلاف مورچہ سنبھالا۔ اب یہ حال ہو گیا ہے کہ دستور کی عظمت رخصت، صرف ایک مذہب اور ایک تہذیب کی بالادستی کی کوشش ہے۔ گائے کا تقدس اتنا زیادہ کہ انسانی جان کی حرمت بھی اس پر قربان، صرف ایک مذہب اور تہذیب کو باقی رکھنے کی

کوشش اور اس کے علاوہ ہر دوسرے مذہب اور تہذیب کو ختم کرنے کی سازش، جو اختلاف رائے رکھے وہ دلش دروہی، یہ موجودہ ہندوستان کا منظر نامہ ہے۔ جو رام کی بے بے کار نہ پکارے اور بے شری رام نہ کہے وہ گویا ہندوستان کا نہیں پاکستان کا وفادار ہے۔ یہ وہ ہندوستان ہرگز نہیں ہے جس کا مسلمانوں نے اور دیگر اقلیتوں نے خواب دیکھا تھا۔ یہ وہ وقت ہے کہ اب سارے خواب چکنچور ہو گئے ہیں۔

اس وقت ضروری ہے کہ حالات کو بہتر بنانے کے لئے انصاف پسند اور سیکولر ذہن کے غیر مسلموں کو ساتھ لے کر امن و امان اور انصاف اور انسانیت کا پیغام لے کر کھڑا ہوا جائے، اس وقت ضروری ہے کہ صف اعداء میں جن لوگوں کے نام ہیں ان سے بھی مکالمہ یعنی ڈائیلاگ ہو۔ قرآن میں تو حضرت موسیٰ کو فرعون کے پاس بھی جانے کا حکم دیا گیا تھا، ہر سطح پر برادران وطن سے رابطہ ضروری ہے۔ اس کے بغیر باہمی غلط فہمیاں دور نہیں ہو سکتی ہیں۔ اس کے بغیر ملت کا سفینہ نجات کے ساحل تک نہیں پہنچ سکتا ہے۔ اس وقت انصاف اور اسلام کے دشمنوں سے بھی ملاقات وقت کی ضرورت ہے اور اس ملاقات پر تنقید کے لئے تفکر اور منتقل سے محرومی کی بہت بڑی مقدار درکار ہے۔

○○○

عورت کی عصمت کا محافظ اسلام یا البرازم؟

بھی بارہا حجاب کی فضیلت بیان کی گئی ہے۔ پھر بھی پردہ کرنے والیوں کی تعداد نہایت کم ہے ایسا کیوں ہے؟ پردہ معاشرے میں پھیلی لاقاعدہ برائیوں کی تلافی کرتا ہے۔ لیکن لبرلز اور مغربی تہذیب و ثقافت کے فتنوں نے مسلمان عورت کو اپنے جھانسنے میں لے لیا ہے۔ اور آزادی کے نام پر ان کا استحصال کیا جا رہا ہے۔ جو کہ اسلام کو نچا دکھانا اور اس کی اخلاقی اقدار کو ٹھیس پہنچانے کے مترادف ہے۔ آزادی نسواں کے نام پر

عورتوں کو اسلام سے دور کیا جا رہا ہے۔ آپ خود بتائیں کہ جب اسلام عورتوں کے تمام حقوق کی پاسداری کر رہا ہے تو پھر دوسرے کسی بھی قسم کے ازم کی کیا ضرورت ہے؟ چلو یہ بھی مان لیا کہ اسلام جن حقوق کی بات کرتا ہے دوسرے ازم بھی تقریباً وہی بات کرتے ہیں۔ لیکن پھر بھی ان کا ہی پرچار کیوں؟ اسلام کا کیوں نہیں؟ اور کیا کبھی کسی عورت نے یہ سوچا ہے کہ اس کو کون کون سے حقوق چاہئے؟ کبھی ان کا شمار کیا ہے، کبھی ان کو ذہن نشین کیا ہے؟ آزادی نسواں کا پرچار کرنے والی خاتون سے اگر پوچھا جائے کہ کون سی آزادی چاہئے تو اس کا جواب یقیناً غیر مطمئن ہوگا۔ میں عورتوں کو ان کے حقوق دینے کے خلاف نہیں ہوں لیکن سب سے پہلے عورتوں کو چاہئے کہ وہ اپنے حقوق متعین کریں ان کو ذہن نشین کریں پھر دیکھے کہ کیا اسلام ان کو یہ حقوق دیتا ہے، کیا اسلام میں ان کے لئے نئے کردہ

رہنمائی بھی فرمائی ہے۔ اور بھی متعدد آیات میں عورتوں کے حقوق کو روشن کیا گیا ہے۔ اسی طرح اسلام عورت کی عزت و عصمت کی حفاظت کے لئے حجاب (پردے) کا بھی حکم دیتا ہے تاکہ معاشرے میں پاکیزگی اور اخلاقی اقدار برقرار رہیں جس سے ایک اجنبی شخص کو نظر نیچے رکھنے میں مدد مل سکے۔

جیسا کہ قرآن پاک میں واضح کہا گیا ہے۔ ترجمہ: مومن عورتوں سے کہہ دو کہ ان کی آنکھوں میں حیاء اور اپنی شرم گاہوں کی پردہ پوشی کریں اور اپنا بناؤ سنگھار ظاہر نہ کریں سوائے اس کے جو خود ظاہر ہو جائے اور اپنے سینوں پر اپنی اڑھنیوں کے آچھل ڈالے رہیں۔ (سورہ نور)

باپردہ اور باحیا عورت ایک مستحکم معاشرے کی ضمانت ہے۔ اس آیت میں واضح پردے کا حکم دیا گیا ہے۔ اور بارہا پردہ کرنے کی تلقین کی گئی ہے۔

احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں

اسلام جو کہ ایک مکمل ضابطہ حیات ہے اور ایک نہایت ہی خوبصورت دین ہے۔ اس میں ہر مسئلے کے حوالے سے رہنمائی موجود ہے۔ اس دین نے عورت کو بہت احترام اور عزت بخشی ہے جو کہ کسی اور مذہب میں نہیں ملتی۔ اسلام عورت کے ہر ایک حق کی بات کرتا ہے۔ خواہ وہ سماجی ہو، معاشرتی ہو یا معاشی ہو۔

جب کہ زمانہ جاہلیت میں کوئی قابل ذکر حقوق عورتوں کو حاصل نہیں تھے۔ حتیٰ کہ جینے کا حق اس سے چھین لیا گیا تھا اور زندہ درگور کرنے کی رسم عام تھی۔ رومانی، ایرانی، یونانی اور زمانہ جاہلیت کی ثقافتوں اور تہذیبوں میں عورت کو ثانوی حیثیت سے بھی کمتر درجہ دیا جاتا تھا۔ اسلام واحد دین ہے جس نے عورت کی عزت و حیثیت کو واضح تصور دیا اور شرف انسانی بخشا۔ اللہ تعالیٰ نے سورۃ النساء میں عورتوں کے سماجی و معاشرتی حقوق و مسائل کے لئے احکامات کے ساتھ

یقیناً اسلام ان تمام حقوق کی مکمل پاسداری کرتا ہے جن کی بدولت ایک احسن تشخصم اور انصاف پر مبنی معاشرہ تشکیل پاتا ہے۔ یہاں میں اسلام کی بات کر رہا ہوں کسی نام نہاد مسلمان مرد کی بات نہیں کر رہا کیونکہ کچھ نام نہاد مسلمانوں کی تصویر دکھائی دیتی ہے کہ عورتوں کے حقوق غصب کرتے ہیں اور ان کا استحصال کرتے ہیں۔ تو کیا ان کی تربیت کی ضرورت ہے یا اسلام سے دور جا کر لبرلزم کو اختیار کرنے کی ضرورت ہے؟ یقیناً ہمیں صرف تعلیمات کی ضرورت ہے تاکہ ہم اپنی بھی اصلاح کر سکیں اور دوسروں کی بھی۔ دوسرے کسی بھی ازم کی کیونکر ضرورت ہوگی جب کہ ہمارے پاس ایک مکمل انصاف پر مبنی رہنمائی والا لائٹانی دین اسلام موجود ہے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی ایک مکمل نمونہ کے طور پر پیش کی گئی ہے۔ ہمیں بس ضرورت ہے کہ اپنے دین کو پڑھیں اور مکمل شعور حاصل کریں ہر معاملے میں اس سے ہی رہنمائی تلاش کریں۔ مغربی تہذیب و ثقافت کے پیچھے پڑنے کے ہمیں اسلام سے دور نہیں جانا چاہئے۔ بلکہ اس کا پرچار کرنا چاہئے اور اس کی حفاظت کرنی چاہئے۔ ایک مسلم معاشرے کی بنیاد اس عورت پر انحصار کرتی ہے جس کی بقا حیا اور حجاب میں چھپی ہے۔ دین اسلام میں ایسی بہت سی خواتین ہیں جن کو خیر النساء کے لقب سے جانا جاتا

ہے۔ جن میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی حضرت بی بی فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی سیرت پاک میں عورتوں کے لئے ایک ہمہ گیر کردار موجود ہے۔

جو کہ ایک بیٹی کے روپ میں، ایک ماں کی شکل میں اور ایک بیوی کے کردار میں قیامت تک آنے والی ماؤں، بہنوں اور بیٹیوں کے لئے نمونہ حیات ہے۔ جس کو آج کے دور جدید میں آئیڈیل بنانے کی ضرورت ہے۔ مسلم معاشرے کا یہ المیہ ہے کہ یہاں مغربی تہذیب و ثقافت کو اہمیت دی جاتی ہے۔ جو کہ میڈیا کے ذریعے انجام پاتی ہے۔ سب سے پہلے تو مسلم خواتین سے کہا جاتا ہے کہ آزادی حاصل کرو، لبرلزم کا انتخاب کرو اور پھر تمہارا امتیاز کالاچ دیا جاتا ہے کہ آپ گھنگرو وغیرہ پہن کر حوس کے پھارپوں کو مطمئن کرو اور تمہارا امتیاز کا شرف حاصل کرو۔ اسلام حجاب کو فوقیت دیتا ہے لیکن ہمارے معاشرے میں ایسی تہذیب و ثقافت نے اپنی جڑیں مضبوط کرنا شروع کر دی ہیں جو کہ اسلام کی اخلاقی اقدار کا مذاق اڑاتی نظر آتی ہیں۔ ایسی تہذیب پروان چڑھ رہی ہے جہاں عورت کا پردہ کرنا اس کی تذلیل کا باعث بنتا ہے۔ مرد برابری اور آزادی نسوان کا جو پرچار عورت مارچ پر کیا جاتا ہے۔ وہ آپ سب نے دیکھا ہوگا۔ مجھے جو سمجھ میں آیا وہ یہ کہ حیا بھی مرد کرے، نگاہ بھی مرد نیچی رکھے، شرم بھی مرد کرے، دوپٹہ بھی مرد کرے، پردہ بھی مرد

ہی کرے اور بچے بھی مرد ہی بنے۔ یہ روش خیالی ہے۔ لبرل اور میرا جسم میری مرضی کرنے والی عورتوں کی۔ خوف خدا، شرم نبی، یہ بھی نہیں وہ بھی نہیں۔ جن جن ممالک نے ایسی روش کو اختیار کیا جو کہ قدرت کے منافی ہے۔ وہاں اقوام متحدہ کی شہادت کے مطابق غیر شادی شدہ ماؤں، حرامی بچوں، عصمت دری کے واقعات، جنسی زیادتی، عورتوں اور جوان لڑکیوں کے اغوا اور قتل اور ایڈز میں مبتلا افراد کی تعداد دنیا میں سب سے زیادہ ہے۔ مطلب کہ لبرلزم کے اس حمام میں سب ننگے ہیں۔ عورتوں کو مکمل تعلیمات کی ضرورت ہے۔ تب ہی وہ اپنے بنیادی حقوق کا تعاقب کر سکیں گی۔ اس لئے ہمیں اپنے دین کا علم حاصل کرنا چاہئے۔ قرآن کی تعلیمات پر عمل کرنا چاہئے نہ کہ مغربی روایات کے پیچھے بھاگنا چاہئے۔ اگر ہمیں دین کے مکمل فہم والا عالم نہیں ملتا تو اس کے بھی ہم خود ذمہ دار ہیں۔ ہم نے کبھی کسی اچھے ذہن بچے کو دین کی تعلیم کی تا کید ہی نہیں کی جو کمزور ذہنیت والا بچہ ہوگا اس کو دینی تعلیم دلوانا چاہتے ہیں۔ تو پھر کیسے ہمیں ایک باشعور عالم مل سکتا ہے؟ جو کہ ہماری قوم کی رہنمائی کر سکے۔ ہمیں اپنے دین کو مضبوطی سے تھامنا ہے۔ اور قرآن و سنت کی تعلیمات کو فروغ دینا ہے اور اس پر عمل کرنا ہے۔ جو کہ عورت کی عصمت کی حفاظت کا ضامن ہے۔

بیوی کی اخلاقی ذمہ داریاں

پاتی۔“ (صحیح البخاری، باب الطیب فی الرأس و اللحية، حدیث نمبر: 5923)

مذکورہ دونوں حدیثوں سے معلوم ہوا کہ بیوی کو شوہر کی خدمت کرنی چاہئے، یہی وجہ ہے کہ فقہائے کرام نے شوہر کی خدمت کو اخلاقی طور پر واجب قرار دیا ہے، مشہور حنفی فقیہ ابن مازہ لکھتے ہیں: ”امام ابوحنیفہ؟ نے فرمایا: جب کوئی شخص اپنی بیوی کو خدمت کے لئے ماہانہ اجرت پر لے تو یہ جائز نہیں ہے، کیونکہ بیوی پر شوہر کی خدمت حسن معاشرت کے اعتبار سے دیناً واجب ہے۔“ (المحیط البرہانی، فصل فی الاستجار للخدمة: 451/7)

ساس سسر اور دیور

و فند کی خدمت

اوپر کی گفتگو سے معلوم ہوا کہ بیوی پر قانوناً شوہر کی خدمت کرنا واجب نہیں، البتہ اخلاقاً واجب ہے اور جب شوہر کی خدمت واجب نہیں تو قانوناً ساس سسر کی خدمت کیسے واجب ہو سکتی ہے؟ ہاں! بسا اوقات ساس سسر کی خدمت بھی بیوی پر اخلاقاً واجب ہو جاتی ہے لیکن شوہر اس پر نہ تو بیوی کو مجبور کر سکتا ہے اور نہ ہی اس کے ترک پر بیوی کے ساتھ مار پیٹ کرنے کی گنجائش ہے، تاہم بیوی کو ساس سسر کی خدمت سعادت اور اپنے شوہر کا تعاون سمجھ کر کرنی چاہئے۔ استاد گرامی حضرت مولانا

مشہور مثل ہے: ”خدمتِ خلق سے خدا ملتا ہے“ معلوم ہوا کہ اگر شوہر کی خدمت کی جائے تو شوہر مکمل طور پر بیوی کو مل جائے گا، خود ازواجِ مطہرات اپنے شوہر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کیا کرتی تھیں: چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: ”ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان اذا اعتکف، یدنی الی رأسه لأرجله۔“ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب اعتکاف کرتے تو اپنا سر میرے قریب کرتے، تا کہ میں کنگھی کر دوں۔“

(مسند احمد، حدیث نمبر 24584)

ایک دوسری حدیث میں ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتے ہیں: کنت أطیب النبی صلی اللہ علیہ وسلم باطیب ما یجد، حتی اجد و بیص الطیب فی رأسه ولحیتہ۔ ”میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عمدہ ترین خوشبو ملتی تھی، یہاں تک کہ میں آپ کے سر اور ریش مبارک میں خوشبو کی چمک

کچھ امور وہ ہیں، جو بیوی قانونی اعتبار سے تو لازم نہیں، لیکن اس پر اخلاقی اعتبار سے واجب ہیں، ان اخلاقی ذمہ داریوں کی ادائیگی سے نہ صرف یہ کہ میاں بیوی کے تعلقات مضبوط و مستحکم ہوتے ہیں، بلکہ سسرال میں بھی اس کی ساکھ مضبوط ہوتی ہے، سسرال کے لوگ اس سے خوش رہتے ہیں اور جب سارا سسرال ہی خوش رہے تو لازماً اسے بھی کسی قسم کی کوئی پریشانی اٹھانی نہیں پڑے گی، اخلاقی اعتبار سے واجب ہونے والی ذمہ داریاں درج ذیل ہیں:

1- شوہر کی خدمت: بیوی کو شریعت نے ”کام والی“ بنا کر شوہر کے سر نہیں منڈھا ہے، بلکہ اس کی حیثیت تو ایک ملکہ کی ہے اور جب وہ ملکہ ہے تو ”خدمت“ اس کے ذمہ واجب نہیں ہے، یہی وجہ ہے کہ اگر شوہر بیوی کی خدمت نہ کرنے پر مقدمہ دائر کرے تو اس کی شنوائی نہیں ہوگی، لیکن یہ بات بھی اہمیت کی حامل ہے کہ ”خدمت“ دل چیتنے کا سبب ہوا کرتی ہے، حتیٰ کہ اردو کی

خالد سیف اللہ رحمانی مدظلہ العالی لکھتے ہیں: ”شوہر کے والدین کی خدمت عورت پر اس وقت دیائے واجب ہوگی، جب کوئی اور خدمت کرنے والا میسر نہ ہو، اگر کوئی دوسرا خدمت کرنے والا میسر ہو، تب بھی عورت کو چاہئے کہ اپنے ساس سر کی خدمت سے دامن نہ کھینچے کہ یہ اس کا اپنے شوہر کے ساتھ تعاون ہے، کیونکہ اصل میں والدین کی خدمت اس کے شوہر پر واجب ہے اور شوہر اپنی بیوی اور اس کے بچوں کی ضروریات کے لئے مشغول ہے، تو اخلاق و دیانت کا تقاضا ہے کہ وہ اس فریضہ کی ادائیگی میں شوہر کی مدد کرے، شوہر کے بھائی بہنوں کی خدمت عورت پر واجب نہیں۔ بہر حال! اس مسئلہ میں اعتدال اور میانہ روی کی ضرورت ہے، نہ یہ درست ہے کہ گھر میں دوسری خواتین کام نہ کریں اور پوری ذمہ داری بہو پر ڈال دیں اور نہ یہ صحیح ہے کہ بیوی اپنے شوہر اور ضرورت مند ساس سر کی خدمت سے بھی دامن کش ہو جائے۔“

(کتاب الفتاویٰ: 4/409-410)

2- رضاعت: بچہ کی صحت کے لئے سب سے مفید غذا ماں کا دودھ ہے، لیکن شریعت نے ماں پر لازم نہیں کیا ہے کہ وہ ہر حال میں اسے دودھ پلائے (سوائے بعض صورتوں کے، جس کا ذکر پیچھے گزر چکا ہے): کیونکہ نسبت کے اعتبار سے بچہ باپ

کا ہوتا ہے، اس لئے اس کی دیکھ ریکھ اور غذا پانی کی ذمہ داری بھی اسی پر ہے، محمد بن احمد سرقندیؒ لکھتے ہیں: ”پھر ماں، اگرچہ کہ وہ پرورش کی زیادہ حقدار ہے، لیکن اس پر بچہ کا دودھ پلانا واجب نہیں کہ یہ نفقہ کے درجہ میں ہے اور بچہ کا نفقہ والد کے ساتھ خاص ہوتا ہے۔“

(تحفۃ الفقہاء، باب الحضانة: 2/233)

تاہم ماں کا بھی تو ایک گنا اس پر حق ہے، اس لئے شریعت نے اخلاقی اعتبار سے اس پر ذمہ داری ڈالی ہے کہ وہ بچہ کو دودھ پلائے۔ ملا علی قاریؒ لکھتے ہیں: ”کیونکہ اس پر اخلاقاً دودھ پلانا واجب ہے۔“

(فتح باب العناية بشرح العنایة: 3/456)

3- گھریلو کام: گھریلو کام کاج، جیسے: گھر کی صفائی، کپڑوں کی دھلائی، کھانا پکانا وغیرہ بھی قانوناً بیوی کی ذمہ داری نہیں ہے، یہی وجہ ہے کہ اگر بیوی کھانا پکانے سے انکار کر دے تو شوہر اس کو مجبور نہیں کر سکتا، علامہ کاسانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: ”لیکن انکار کرنے پر بیوی کو کھانا پکانے پر مجبور نہیں کیا جاسکتا، بلکہ شوہر کو حکم دیا جائے گا کہ بیوی کے لئے تیار شدہ کھانا لائے۔“ (بدائع الصنائع، فی بیان مقدار الواجب من النفقة: 4/24)

البتہ فقہ ابو الیث سرقندیؒ نے مذکورہ مسئلہ کو دو صورتوں پر محمول کیا ہے:

1- بیوی کسی وجہ (جیسے: بیماری) سے کھانا نہ بنا سکتی ہو۔

2- بیوی کا تعلق ایسے خاندان سے ہو، جہاں کی عورتیں کھانا نہیں بناتیں، بلکہ خادم کھانا بناتا ہو۔ ان دو صورتوں کے علاوہ میں بیوی کو کھانا بنانے پر مجبور کیا جاسکتا ہے۔ (بدائع الصنائع، فی بیان مقدار الواجب من النفقة: 4/24)

بہر حال اصل تو یہی ہے کہ یہ امور قانونی اعتبار سے بیوی پر لازم نہیں ہیں، لیکن اخلاقی اعتبار سے اس پر ضروری ہے کہ یہ کام بھی انجام دے کہ ان کا تعلق ”خدمت“ کے قبیل سے ہے، لہذا عام حالت میں ان سے دست کش ہونا درست نہیں، امام ابن مازہؒ لکھتے ہیں: ”اسی لئے گھر کے کام اس پر دیائے واجب ہیں۔“ (المحیط البرہانی، الفصل الثالث: فی نفقة ذوی الارحام: 3/564)

مذکورہ عبارتوں سے معلوم ہوا کہ بیوی اگر گھر کے کام کاج کرتی ہے تو گواہنا اخلاقی فریضہ ادا کرتی ہے، لیکن ہم پر وہ احسان کرتی ہے، کیونکہ قانوناً یہ اس کی ذمہ داری نہیں ہے، لہذا ایسی صورت میں دو باتوں کا خاص خیال رکھنا چاہئے:

1- گھر کا سارا کام بہو کے سر پر نہیں ڈالنا چاہئے کہ وہ نوکرائی نہیں ہے، بلکہ گھر کے دیگر افراد کو بھی ہاتھ بٹانا چاہئے، اس سے بہو کو حوصلہ ملے گا اور کام کرنے میں

اکتاہٹ محسوس نہیں کرے گی۔

2- جب بہو کا کام کاج کرنا ایک طرح سے ہم پر احسان ہے تو احسان کا بدلہ ضرور دینا چاہئے، اب بدلہ دینے کی دو صورتیں ہیں:

(الف) زبان سے اس کا شکر ادا کرنا چاہئے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: لَسْنَا شَكَرْتُمْ لَآ زَيْدًا نَّكْمَ۔ (ابراہیم: 7) ”اگر تم شکر ادا کرو گے تو میں تمہیں مزید دوں گا۔“ نیز اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مَنْ لَمْ يَشْكُرِ النَّاسَ، لَمْ يَشْكُرِ اللَّهَ (سنن الترمذی، باب ماجاء فی الشکر لمن احسن الیہ، حدیث نمبر 1955) ”جس نے لوگوں کا شکر ادا نہیں

کیا، اس نے اللہ کا شکر ادا نہیں کیا۔“

اس لئے گھر کے افراد کو چاہئے کہ کام کاج کرنے پر بہو کا ضرور شکر ادا کریں۔

(ب) گھر کے بڑے افراد کو چاہئے کہ وہ کبھی بکھار کچھ تحفے تحائف دیں، اس سے جہاں محبت پیدا ہوتی ہے، وہیں قدر دانی کا احساس ہوتا ہے، جس کے نتیجہ میں بہو بڑے سے بڑا کام بغیر کسی ہچکچاہٹ کے کر ڈالنے کی کوشش کرتی ہے، اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق دے۔ آمین۔

4- بچوں کی تربیت: بچے نسب کے اعتبار سے چونکہ باپ کے ہوتے ہیں اور اس میں عورت کی بھلائی کو ہی پیش نظر رکھا گیا ہے، اس لئے بچوں کی تربیت کی اصل

ذمہ داری تو باپ پر ہی عائد ہوتی ہے، اسی لئے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”ما نحل والد ولد افضل من ادب حسن۔“ (مسند احمد، حدیث نمبر: 15403) ”کسی والد نے اپنے بچہ کو حسن ادب سے زیادہ بہتر تحفہ نہیں دیا۔“

لیکن چونکہ بچہ کا ایک گونہ تعلق ماں سے بھی ہے اور تربیت میں ماں کا جو رول ہوتا ہے، وہ کسی سے مخفی نہیں، اس لئے اخلاقی اعتبار سے بچہ کی اچھی تربیت بھی اس کی ذمہ داری ہے، اس ذمہ داری کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

والمرأة راعية علی اهل بیت زوجها وولده، و بی مسئلوة عنهم۔ (صحیح البخاری، باب قول اللہ: و اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول، حدیث نمبر: 7138) ”عورت اپنے شوہر کے گھر والوں اور اس کے بچہ کی دیکھ ریکھ کرنے والی ہے اور اس سے اس کی ذمہ داری کے بارے میں پوچھ ہوگی۔“

معلوم ہوا کہ بیوی پر اخلاقی لحاظ سے بچہ کی تربیت اور اس سلسلہ میں فکر کرنا واجب ہے، جس کو ادا نہ کرنے کے نتیجہ میں وہ گناہگار ہوگی۔

○ ○

مجالس تہذیبیہ کا تہذیبیہ و نثریاتیہ اسلام کی ہندیہ پوسٹا کے

کیتا ب کا نام	لے خک	مূলے
منسبے پے گمبوری	مؤو سؤو ابول حسن اعلیٰ حسنی نددوی	100.00
نبدیؤو کے کسبسے 1,2	"	120.00
نبدی-آ-رہمات	"	250.00
دسٹورے ہڈا ت (آویون کا پث-پدشک)	"	70.00
سڈڈا اور سسکؤتی پر اسلام کی	"	70.00
بھارتیہ موسلما ن آک ڈؤسٹئ مے	"	80.00
مڈنی کے ڈگ ر	"	70.00
مانو وتا کا سندش	"	50.00
مانو وتا کا ستر	"	50.00
اآآے-اآآے نام اآلاآ کے	"	25.00
اسلام آک پریڈی	"	40.00
اسلام کڈا ہے?	مؤولانا من آؤر نؤمانی	60.00
آادرسا شاسک	مؤولانا ابدؤسسلام کیدو اڈ نددوی	35.00
تؤفان رؤ ساهیل تک	مؤو اسراد	50.00
مؤحممد سآللاآؤ اآلہی و سآللام	مؤولانا سؤمڈد مؤو رابہ حسنی نددوی	250.00
تؤہف-آ-رمآان	"	40.00
ہمارے ڈؤؤر	امتؤللاآ ت سنی م	20.00
اسلام اور اسلامی	مؤولانا ایلایاس نددوی بآکلی	35.00
سیرت سؤلطان ٹیؤ شہید	"	220.00
Total		1635.00
Rate After Disc & Including Postal Charges		1000.00
Ph.: 0522-2741539, A/c : 10863759700, SBI Main Br. Lucknow, IFSC : SBIN0000125		

بیٹیوں اور بیٹوں کے نام

ان سطور میں، میں اپنی لختِ جگر بیٹیوں اور بیٹوں سے بات کرنے کی ضرورت محسوس کر رہا ہوں۔

لختِ جگر بیٹیو! آج جس دورِ فتن سے ہمارا معاشرہ گزر رہا ہے، اُس کے چاروں طرف بدی، برائی، بے حیائی، بے شرمی، اختلاطِ مرد و زن، شرابِ نوشی، منشیات، رقص و سرور، خرافات اور فضولیات کو فروغ دیا جا رہا ہے۔ اس صورتِ حال کے پیدا کرنے میں بہت سے عوامل کارفرما ہیں۔ تاہم ان میں سب سے بڑا عامل (Factor) ہمارے گھروں میں اسلامی تعلیمات کا فقدان ہے۔ ہمارے گھروں میں قرآن کو بھلا کر، اس کے نسخوں کو الماریوں کی زینت بنا دیا گیا ہے۔ ایک زمانہ تھا کہ گلی کوچوں سے گزرتے ہوئے گھروں سے تلاوتِ قرآن کی آوازیں سنی جاتی تھیں۔ آج اس کے بجائے ایسے فلمی گانوں کے بول کانونوں سے نگراتے ہیں کہ شرم و حیا کے جامے تار تار ہو جاتے ہیں۔ گھروں میں بڑوں، یعنی والدین کی

لا پرواہی اور بچوں کے حوالے سے بے اعتنائی بھی خرابی اور بے راہ روی کی بنیادی وجہ بن رہی ہے۔ والدین پر جس طرح اپنے بچوں کے لئے کھانے پینے، لباس اور علاج و معالجے کی ذمہ داری ہے، بالکل اسی طرح، بلکہ اس سے بڑھ کر بچوں خاص طور پر لڑکیوں کی عزت و آبرو، عفت و عصمت، شرم و حیا اور اخلاق و کردار کی حفاظت کرنا بھی فرض ہے۔ مگر مادہ پرستی کے اس دور میں وہ اس اہم اور بنیادی ضرورت کو پورا کرنے سے کئی کتراتے ہیں۔ والدین کو سوچ لینا چاہئے کہ جس طرح وہ لڑکیوں کی دنیا بنانے اور تعلیم و تربیت کا اہتمام کرتے ہیں، اسی طرح لڑکیوں کی آخرت کی زندگی میں جہنم کی آگ سے بھی بچانے کی ذمہ داری پوری کریں۔ جیسا کہ قرآن پاک میں فرمایا گیا ہے: ”اے لوگو! جو ایمان لائے ہو، بچاؤ اپنے آپ کو اور اپنے اہل و عیال کو اُس آگ سے جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہوں گے۔“ (التحریم 6:66)

یہ آیت بتاتی ہے کہ ایک شخص کی ذمہ

داری صرف اپنی ذات ہی کو خدا کے عذاب سے بچانے کی کوشش تک محدود نہیں ہے، بلکہ اس کا کام یہ بھی ہے کہ نظامِ فطرت نے جس خاندان کی سربراہی کا بار اُس پر ڈالا ہے، اس کو بھی وہ اپنی حد استطاعت تک ایسی تعلیم و تربیت دے، جس سے وہ خدا کے پسندیدہ انسان بنیں، اور اگر وہ جہنم کی راہ پر جا رہے ہوں، تو جہاں تک بھی اس کے بس میں ہو، ان کو اس سے روکنے کی کوشش کرے۔ اُس کو صرف یہی فکر نہیں ہونی چاہئے کہ اس کے بال بچے دنیا میں خوش حال ہوں بلکہ اس سے بھی بڑھ کر اسے یہ فکر ہونی چاہئے کہ وہ آخرت میں جہنم کا ایندھن نہ بنیں۔

بخاری میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”تم میں سے ہر ایک راعی ہے اور ہر ایک اپنی رعیت کے معاملے میں جواب دہ ہے۔ حکمران راعی ہے اور وہ اپنی رعیت کے بارے میں جواب دہ ہے۔ مرد اپنے گھر والوں کا راعی ہے اور وہ ان کے بارے میں جواب دہ ہے، اور عورت اپنے شوہر کے گھر اور بچوں کی راعی ہے اور وہ ان کے بارے میں جواب دہ ہے۔“ جہنم کا ایندھن پتھر ہوں گے، اس سے مراد غالباً پتھر کا کوئلہ ہے۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ، ابن عباس رضی اللہ عنہ، مجاہد رحمۃ اللہ علیہ، امام محمد الباقر رحمۃ اللہ علیہ اور سیدی رحمۃ اللہ علیہ

کہتے ہیں کہ یہ گندھک کے پتھر ہوں گے۔“
 (تفہیم القرآن، جلد ششم، ص 29-30)
 بچوں کے والدین اور سرپرست اللہ
 تعالیٰ کے اس ارشاد کو پیش نظر رکھیں تو اپنی
 اولاد کے بارے میں لاپرواہی اور بے اعتنائی
 نہیں برتیں گے اور ان کو کھلی چھوٹ نہیں دیں
 گے کہ وہ جو کچھ کرنا چاہیں بے روک ٹوک
 کریں۔ اپنی عزت اور آبرو کا خیال نہ
 کریں۔ بے پردہ گھومیں پھریں۔ منشیات
 کے عادی بن جائیں۔ موبائل فون کا غلط
 استعمال کریں۔ انٹرنیٹ اور فیس بک پر غیر
 محرم اور اوباش نوجوانوں کے ساتھ روابط قائم
 کریں۔ ساتر لباس کے بجائے چست اور
 نیم عریاں لباس کا استعمال کریں۔ نمازوں کی
 پابندی نہ کریں۔ قرآن پاک کی تلاوت نہ
 کریں۔ قرآن پاک کے معانی سمجھنے کی
 کوشش نہ کریں۔ کوئی معتبر اور مستند تفسیر کا
 سہارا لے کر قرآن پاک کے حیات بخش
 پیغام سے رہنمائی حاصل نہ کریں۔ سیرت
 پاک کا مطالعہ نہ کریں اور اپنی سیرت اور
 کردار میں باحیا اور باکردار خواتین کی سیرت
 کے خدوخال اپنے اندر پیدا نہ کریں۔ دنیوی
 تعلیم کے ساتھ ساتھ دینی اور اسلامی تعلیم
 حاصل کرنے کی کوشش نہ کریں۔ یہ سب
 کچھ والدین اور سرپرستوں کی نگاہوں کے
 سامنے ہو اور وہ ”نک نیک دیدم نہ کشیدم“
 کے مصداق دیکھتے رہیں اور ٹوکے اور روکنے
 کی کوشش نہ کریں تو قرآن پاک کی اس

متنبیہ کا ان پر ہی اطلاق ہوگا۔

لخت جگر بیٹیو! ہم اپنے ہی ہاتھوں
 دشمن کے فوجی قبضے میں جا چکے ہیں۔ ایک
 طرف فوج کے بل بوتے پر ہمارے تمام
 ذرائع اور وسائل پر قبضہ جما رہا ہے۔ دوسری
 طرف ہم پر اپنی مشرکانہ تہذیب بزدل بازو
 مسلط کر رہا ہے۔ اس مقصد کے لئے خاص
 طور پر ہماری تعلیم گاہوں، یونیورسٹیوں،
 کالجوں اور مدارس کو نشانہ بنا رہا ہے۔ مخلوط
 تعلیم ہماری اسلامی تہذیب، تمدن اور
 ثقافت کے خلاف ہے۔ اسلام میں لڑکیوں
 کی تعلیم بھی ضروری ہے مگر اس تعلیم میں
 لڑکیوں کی عزت، عصمت اور شرم و حیا کا
 بھرپور تحفظ ہونا چاہئے۔ مخلوط نظام تعلیم میں
 ان مقدس اقدار کا تحفظ ممکن نہیں ہو سکتا۔

نظام تعلیم بھی انسانی اور اخلاقی اقدار
 کے منافی ہے۔ تعلیم ہماری نئی نسل کو مادہ
 پرست اور دنیا پرست بناتی اور برائیوں کی
 طرف راغب کرتی ہے۔ ہماری
 یونیورسٹیوں اور کالجوں میں کلچر اور ثقافت
 کے نام پر ایسے پروگرام منعقد کروائے جاتے
 ہیں جن میں دینی اور اسلامی اقدار سے ہم کو
 دور لے جایا جا رہا ہے۔ دشمن اپنی مخصوص
 تہذیب اور طرز زندگی کو ان پروگراموں کے
 ذریعے ہم پر مسلط کر رہا ہے۔ تعلیم گاہوں
 میں کردار سازی کی طرف بہت کم توجہ دی
 جا رہی ہے۔ منصوبہ بند طریقے پر جوان
 لڑکیوں اور لڑکوں کو کھلے عام ایک ساتھ

روابط قائم کرنے کے مواقع فراہم کئے
 جاتے ہیں۔ اس تہذیبی یلغار کے مقابلے
 میں ہمارے مقامی افسران اور ذمہ داران
 مزاحمت کر سکتے تھے، مگر وہ اپنی کرسیوں،
 اپنے عہدوں اور منصبوں کے غلام بن چکے
 ہیں اور انہیں کی معاونت، تابعداری اور
 غلامانہ ذہنیت کے سہارے یہ سب اخلاق
 باختہ پروگرام انجام دیے جا رہے ہیں۔

ان حالات میں، میں اپنی لخت جگر
 بیٹیوں سے دردمندانہ اپیل کروں گا کہ آپ
 قرآن پاک پڑھ کر، سمجھ کر اس کی رہنمائی
 کے مطابق اپنی زندگی گزارنے کی کوشش
 کریں، کیونکہ آپ ہی کے ہاتھوں میں
 ہمارا مستقبل ہے۔ اگر آپ نے اپنے اندر
 اسلامی کردار اور سیرت پیدا نہیں کی تو ہماری
 آنے والی نسل مشرکانہ تہذیب کا شکار
 ہو جائے گی، اور اسلام کے حیات بخش نظام
 سے محروم ہو کر دنیوی ذلت و خواری اور
 آخرت کے ابدی عذاب سے دوچار
 ہو جائے گی۔ میں آپ کو علامہ محمد اقبال
 رحمۃ اللہ علیہ کی ایک رباعی کی وساطت سے
 خاتونِ ملت کے کردار کی طرف متوجہ کر کے،
 ایک بار بھر دردمندانہ اور دل سوزی کے
 ساتھ نصیحت کروں گا کہ اپنی عزت، سیرت
 اور اسلامی کردار کی ہر حال میں حفاظت
 کریں اور اپنے آپ کو اسلامی سانچے میں
 ڈھال کر اپنی دنیا اور آخرت آباد و شاداب
 کرنے کی ہر ممکن کوشش کریں۔ علامہ اقبال

آپ کو نصیحت کرتے ہیں:

ز شام ماہروں اور سحر را
بہ قرآن باز خواں اہل نظر را
تو میدانی کہ سوز قرأت تو
دگرگوں کرد تقدیر عمر را
(قرآن پاک کی تلاوت سے اہل
نظر کو متاثر کر کے، ہماری شام کو سحر سے بدل
دے۔ تو جانتی ہے کہ تیرے سوز قرأت نے
عمر رضی اللہ عنہ کی تقدیر بدل کر رکھ دی تھی)
اے خاتونِ ملت! تو اپنے کردار اور
اسلامی سیرت کے ذریعے ملت کو اس
تاریکی سے نکال کر صبحِ آزادی اور اسلام
کے عادلانہ نظام کی طرف لانے کے لئے
اپنا منہ ہی فریضہ انجام دے۔ اس مقصد کے
لئے تم قرآن پڑھ کر، سمجھ کر، عملاً پھیلا کر اور
غالب کرنے کی کوشش کر کے اہل نظر پیدا
کرو، کیونکہ تو اگر اپنا ماضی یاد کرے گی تو تجھے
معلوم ہو جائے گا کہ تیری سوز قرأت سے
اسی طرح نسلوں کی تقدیر بدل جائے گی،
جس طرح عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی بہن
کی تلاوت سے ان کی تقدیر بدل گئی تھی۔

یہ اس واقعے کی طرف اشارہ ہے کہ
جب عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ برہنہ تلوار
لے کر رسولِ رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کو شہید
کرنے کے لئے گھر سے نکلے تو راستے میں
ایک صحابی سے اُن کا سامنا ہوا۔ انہوں نے
کہا: عمر! یہ چمکتی تلوار لے کر کہاں جا رہے
ہو؟“ عمر نے جواب دیا: اس دین کے

بدلنے والے محمد کو قتل کر دوں گا۔“

اُس صحابی نے کہا: ”پہلے اپنے گھر کی
خبر لو اور اپنی بہن فاطمہ بنت خطاب کے گھر
جاؤ۔“ عمر غصے سے بے تاب ہو کر اپنی بہن
کے گھر پہنچے۔ وہاں اُن کی بہن قرآن پاک
سے سورہ طہ کی تلاوت کر رہی تھیں۔ عمر کے
آنے کی خبر سن کر وہ سہم گئیں اور قرآن
پاک کے اوراق چھپانے لگیں۔ عمر نے
بڑے گرج دار لہجے میں پوچھا: کیا پڑھ رہی
تھی؟ فاطمہ نے کہا: ”قرآن پڑھ رہی
تھی۔“ عمر نے اُن کو بے تحاشا پٹینا شروع
کر دیا۔ فاطمہ کے شوہر اُن کو بچانے کے
لئے آگے بڑھے، ان کو بھی عمر نے غیض و
غضب کا نشانہ بنایا۔ تھک ہار کر عمر نے
فاطمہ سے کہا: ”اچھا مجھے وہ سناؤ جو تم پڑھ
رہی تھی۔“ فاطمہ نے کہا: ”میں وہ اوراق
تمہارے ہاتھ میں نہیں دوں گی جو میں پڑھ
رہی تھی۔ جب تک تم نہادھو کر اپنے کو پاک
وصاف نہیں کرو گے۔“ عمر رضی اللہ عنہ نے
اپنے آپ کو پاک و صاف کیا۔ پھر فاطمہ
نے سورہ طہ کی آیات تلاوت کیں۔ اس
سے عمر رضی اللہ عنہ کی دنیا ہی بدل گئی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے پاک
باز ساتھیوں کے ہمراہ تشریف فرما تھے۔ کسی
نے پریشان ہو کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے
کہا: عمر ہاتھ میں لنگی تلوار لئے آرہے ہیں۔
اس مجلس میں حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ بھی
تشریف فرما تھے۔ انہوں نے مومنانہ اور

مجاہدانہ انداز میں بر ملا کہا کہ: اگر نیک نیت
سے آیا ہے تو مرحبا، اگر بد نیتی سے آیا ہے تو
یہ تلوار اس کا فیصلہ کرے گی۔ مگر عمر بن
خطاب کے حق میں رب کریم کی بارگاہ میں
کی تھی کہ دو عمروں میں سے ایک کو اسلام
لانے کی توفیق عطا کر۔ ابو جہل کا نام بھی عمر
تھا اور دوسرے عمر بن خطاب تھے۔ یہ دُعا
دوسرے عمر کے حق میں قبول ہوئی اور انہوں
نے خدمتِ اقدس میں اس روز حاضر ہو کر
کلمہ شہادت پڑھ کے اسلام کے حیات
بخش پیغام کو قبول کرے کا اعلان کر دیا۔

جو انانِ ملت! آپ ہمارا مستقبل اور
اصل سرمایہ ہیں۔ آپ غلامی کی جن زنجیروں
میں جکڑے جا چکے ہیں، اُن سے آزادی
حاصل کرنا، آپ ہی کی ہمت، حوصلے، عزم
اور اخلاص کا مرہونِ منت ہے۔ آپ اپنے
اندروہ سیرت و کردار پیدا کریں، جو آپ کو
بے تیغ لڑنے کا حوصلہ اور ولولہ عطا کرے۔
سامراجی طاقتوں اور استعماری قوتوں نے
خاص طور پر آپ کو نشانہ بنانے کے لئے دُور
رس نتائج کی حامل ایک پالیسی وضع اور
طریق کار اختیار کیا ہے۔ اس سنگین ترین
صورت حال کا صرف اور صرف ایک ہی
علاج ہے کہ آپ محسنِ ملت اسلامیہ علامہ محمد
اقبال رحمۃ اللہ علیہ کی نصیحت پر پوری یکسوئی
اور سلیم قلب کے ساتھ پیروی کریں:

خدا تجھے کسی طوفان سے آشنا کر دے
کہ تیرے بحر کی موجوں میں اضطراب نہیں

تھے کتاب سے ممکن نہیں فراغ کہ تو کتاب خواں ہے مگر صاحب کتاب نہیں طوفان سے تو ہم دوچار ہو سکتے ہیں۔ اس میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہے۔ علامہ اقبال مرحوم نے اس طوفان کو سخت ترین موت سے تعبیر کیا ہے:

موت ہے اک سخت تر جس کا غلامی ہے نام
مگر و فن خوگی کاش سمجھتا غلام
اے کہ غلامی سے ہے روح تیری مضحل
سینہ بے سوز میں ڈھونڈ خودی کا مقام
اس سخت ترین موت سے نجات
پانے کے لئے فرمایا گیا ہے کہ کتاب خواں
ہی نہیں بنا ہے، بلکہ صاحب کتاب بننے کی
طرف بڑھنا ہے۔ صاحب کتاب کا مطلب
یہ ہے کہ قرآن پاک کی تلاوت اس بھرپور
احساس سے کی جائے کہ یہ کتاب مجھ پر ہی
نازل ہو رہی ہے۔ مجھے کہہ رہی ہے کہ تم
نے کیا کرنا ہے؟ تمہارے لئے حق کیا ہے
اور باطل کیا؟ تمہارے لئے حلال کیا ہے
اور حرام کیا؟ تمہارا خالق اور مالک کون
ہے؟ تمہارا حاکم اور مقتدر اعلیٰ کون ہے؟
تمہارا معبود اور پروردگار کون ہے؟ تمہیں
کس کی عبادت اور بندگی کرنا ہے؟ تمہیں
کس کا خوف اور ڈر ہونا چاہئے؟ تمہاری
قوتیں اور صلاحیتیں کس کے لئے وقف
ہونی چاہئیں؟ تم نے کلمہ لا الہ الا اللہ پڑھ کر
کس کے ساتھ اپنی جان و مال کا سودا کیا
ہے؟ تمہارے لئے عدل و انصاف کا نظام

اور ضابطہ کیا ہے؟ تمہیں انسانیت کا احترام
کرنا کون سکھاتا ہے؟ تمہارے لئے صلح اور
جنگ کے ضوابط کون ترتیب دے رہا ہے؟
جب آپ قرآن یہ جان کر اور مان
کر پڑھیں گے کہ یہ مجھ ہی سے مخاطب ہے
تو وہ آپ کو بتائے گا کہ تم کو پانی کے ایک
حقیر قطرے سے اللہ ہی نے پیدا کیا ہے۔
اسی نے تمہاری پرورش کے لئے ماں باپ
کے دل میں محبت اور شفقت پیدا کی ہے۔
اسی نے تمہاری زندگی کے لئے ہوا، پانی،
زمین پیدا کی ہے۔ تمہارے لئے زرق کا
انتظام کیا ہے۔ قرآن آپ کو بتائے گا کہ
تمہاری زندگی کے لئے تمہارا جوڑا پیدا کیا
ہے، اور اس طرح دونوں صنفوں کے لئے
سکون و طمانیت کا ذریعہ اور وسیلہ بنایا گیا
ہے۔ مودت اور محبت کا سامان فراہم کیا
ہے۔ تم بیمار ہوتے ہو تو شفا وہی بخشتا ہے۔
قرآن آپ کو بتائے گا کہ جب سب کچھ
اللہ ہی تم کو دیتا ہے تو تم دوسروں کی بندگی
کیوں کرتے ہو؟ وہی تو تمہارا حکم الحاکمین
ہے۔ تم دوسروں کی سرداری اور حاکمیت
کیوں تسلیم کرتے ہو؟ یہ تو تمہارے اللہ پر
ایمان رکھنے کے منافی ہے۔ اس طرح
تمہاری زندگی میں دو رنگی اور نفاق پیدا
ہو جاتا ہے۔ قرآن اپنے پڑھنے والے کو
بتاتا ہے کہ حق کو قبول کر لینے اور سمجھ لینے
کے بعد باطل کی پرستش اور اطاعت کرنے
کا تمہارے پاس کیا جواز ہے؟

قرآن پاک کو جب آپ اس ایمان
و یقین کے ساتھ پڑھیں گے کہ یہ آپ پر
ہی نازل ہو رہا ہے تو آپ جان لیں گے کہ
قرآن آپ کو بہت بڑی نعمت اور دولت
سے سرفراز فرما رہا ہے۔ قرآن کریم ایک
بہت بڑی حکمت اور ایمانی قوت ہے۔
قرآن، آپ میں اللہ وحدہ لا شریک کی
وحدانیت کا یقین، اُس کی قوت و سطوت کا
راخ احساس اور ناقابلِ شکست اعتماد پیدا
کرتا ہے کہ اسے پا کر آپ بہت طاقتور بن
جاتے ہیں۔ جہاں ایمانی قوت ہو، وہاں
دنیا کی ساری طاقتیں پرکاوے کے برابر گتی ہیں
اور کوئی فرعونیت اور نمرودیت مسلمان کو
زیر دست اور محکوم نہیں بنا سکتی۔ اگر ایمانی
قوت نہ ہو تو اسلحہ اور ایٹم بم بھی آپ میں
جرات اور ہمت پیدا نہیں کر سکتے۔

جو انان عزیزا یہ سب کچھ قرآن پاک
سے دُوری اور اُس سے ایمانی قوت حاصل
کرنے سے وہ محرومی ہے کہ جس کا خمیازہ
پوری ملت اور خاص طور پر ہم مظلوموں اور
مظلوموں کا بھگتنا پڑتا ہے۔ علامہ محمد اقبالؒ نے
ایمانی قوت کو ”زور دُروں“ سے تعبیر کر کے
جو انوں کو ان الفاظ میں مخاطب کیا ہے:

یہ آبِ جو کی روانی، یہ ہمکناری خاک
مری نگاہ میں ناخوب ہے یہ نظر
ادھر نہ دیکھ، ادھر دیکھ اے جو انِ عز:
بلند زور دُروں سے ہوا ہے فوار

□□□

طہارت و نفاست اسلام کا طرہ امتیاز

پاپائے روم نے جرمنی کے بادشاہ فریڈرک پر جب کفر کا فتویٰ لگایا تو اس پر ایک بڑا الزام یہ تھا کہ وہ روزانہ غسل کرتا ہے، پاپائے روم روزانہ غسل کرنے والے عیسائیوں کو کافر قرار دیتا تھا، ایسے کافروں کو سزا دینے کے لئے پاپائے روم نے 1478ء میں ایک مذہبی عدالت قائم کی اور روزانہ غسل کرنے کی پاداش میں پہلے ہی سال دو ہزار افراد کو زندہ جلادیا گیا اور ستر ہزار کو قید و بند کی سزائیں جھیلی پڑیں، میلے کچیلے لباس پہننے کی وجہ سے جوڑوں کی یہ کثرت تھی کہ جب برطانیہ کا بادری باہر نکلتا تو اس کی قبا پر سیکڑوں جوئیں پھرتی نظر آتی تھیں۔ جب انڈس میں اسلامی سلطنت کا آفتاب غروب ہوا اور عیسائیوں نے زمانہ اقتدار سنبھالی، تو فلپ دوم نے تمام حمام بند کرنے کا فرمان جاری کیا اور اس نے اشبیلیہ کے گورنر کو محض اس لئے معزول کر دیا کہ وہ روزانہ ہاتھ منہ دھوتا ہے۔ یہی کچھ حال ہندو ازم کا بھی ہے ہندو مذہب کے پیروکاروں کے یہاں طہارت و صفائی کا کوئی تصور نہیں ہے۔ ان کی مذہبی کتابوں میں نفاست و پاکیزگی کے طور طریقے بیان نہیں کئے گئے ہیں، ہندو دھرم کے اندر انسان اپنے مزاج و مذاق کے مطابق حیوانوں کی سی زندگی گزار سکتا ہے، چند سال قبل ہندوستان کے سابق وزیر اعظم مرارجی ڈیسانی کا یہ بیان ملک کے مشہور معروف جرائد اور بڑے بڑے اخبارات میں شائع

ناف کے بالوں کو تراشنا گناہ سمجھا جاتا تھا۔ زمانہ جاہلیت میں بعض نصرانی راہب اپنے جسم پہ لباس زیب تن نہیں کرتے تھے اور قابل ستر اعضاء کو جسم کے غیر معمولی طور پر بڑھے ہوئے بالوں کے ذریعہ چھپاتے تھے، آٹھینس نامی راہب کا بیان ہے کہ اس نے زندگی بھر اپنے پیر نہیں دھوئے، ابراہام نامی راہب کہتا ہے کہ میں نے پچاس سال تک اپنے چہرے اور پیر کو پانی سے تر نہیں کیا، اسکندریہ کے ایک راہب نے جب عیسائیوں کو غسل کا اہتمام کرتے ہوئے دیکھا تو کافی افسوس اور رنج و غم کا اظہار کیا اور کہا کہ کچھ عرصہ پہلے ہم چہرے پر پانی ڈالنا حرام خیال کرتے تھے، افسوس! آج ہم لوگ پورے جسم پر پانی بہا رہے ہیں۔ (ماذا خسر العالم بانحطاط المسلمین: 1/151) مغرب کے لوگ اگرچہ اپنے کو مہذب اور متمدن بتاتے ہیں، منانت و تہذیب و شائستگی کے بلند بانگ دعویٰ کرتے ہیں، لیکن کچھ صدیوں پہلے ان کا حال بھی اس سے مختلف نہیں تھا،

طہارت و نفاست ایک مہتم بالشان عمل ہے، آدمی کے لئے باعث زیب و زینت ہے، ایک سلیم الطبع انسان کے لئے سرمایہ عز و افتخار ہے، متمدن اور مہذب لوگوں کا شعار ہے، ترقی یافتہ اور زندہ دل قوموں کی پہچان ہے، اسلام اور مسلمانوں کا طرہ امتیاز ہے، نفاست و پاکیزگی دل کی آسودگی و فرحت عطا کرتی ہے، ذہن کو تازگی و بالیدگی بخشتی ہے، قلب و دماغ کو معطر کرتی ہے، صفائی و ستھرائی کا اہتمام کرنے سے انسان کو انس و سرور حاصل ہوتا ہے، دلجمعی و یکسوئی حاصل ہوتی ہے، ذہنی تشویش و پراگندگی دور ہوتی ہے، حفظان صحت میں معاون و مددگار ثابت ہوتی ہے۔

اسلام کا آفتاب طلوع ہونے سے پہلے پوری دنیا تاریکی میں ڈوبی ہوئی تھی، ہر سو اندھیرے کی حکمرانی تھی، طہارت و نفاست سے بے اعتنائی و لاپرواہی تھی، بدن اور کپڑے کی صفائی کو معیوب خیال کیا جاتا تھا، غسل کرنے کو جرم سمجھا جاتا تھا، بوسیدہ، بدبودار اور میلے گندے کپڑوں میں رہنے کو لازم اور ضروری قرار دیا جاتا تھا، بغل اور

ہوا تھا کہ میں روزانہ صبح اپنا پیشاب پیتا ہوں۔ سکھوں کے یہاں سر موٹھنے، زیر ناف کے بال تراشنے سے انسان مذہب سے خارج ہو جاتا ہے، ختنہ کرنا ان کے یہاں بڑا جرم سمجھا جاتا ہے۔ غرض یہ کہ اسلام کے علاوہ تمام مذاہب طہارت و صفائی کی تعلیمات سے یکسر خالی ہیں، بلکہ ان مذاہب میں طہارت و صفائی کا اہتمام کرنے والا انسان قابل سزا سمجھا جاتا ہے، یہ مذہب اسلام کا ہی طرہ امتیاز ہے کہ اس نے نفاذ و طہارت پر غیر معمولی توجہ دی ہے، گم گشتہ راہ انسانیت کو اس سلسلہ میں اعلیٰ درس دیا ہے، بڑی شرح و وسط کے ساتھ اس کے آداب اور طور طریقے بیان کئے ہیں، جن کو اختیار کرنے سے ایک سلیم الطبع انسان کو آسودگی اور اطمینان نصیب ہوتا ہے، غیر معمولی فرحت و شادمانی حاصل ہوتی ہے، چہرے پر تازگی اور نورانیت محسوس ہوتی ہے۔

اسلام نے طہارت و صفائی کی بڑی تاکید کی ہے، آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام پر جب دوسری مرتبہ وحی نازل ہوئی تو نبوت کی بھاری ذمہ داریاں پوری کرنے کے لئے جہاں دیگر ہدایتیں دی گئیں وہیں ایک ہدایت یہ بھی دی گئی کہ آپ اپنے کپڑے کو پاک و صاف رکھئے۔ (القرآن، المدثر: 4) طہارت و پاکیزگی اللہ عز و جل کی محبوب اور پسندیدہ چیزوں میں سے ہے۔ (القرآن، البقرة: 222) بعض صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین استنجاء کے بعد

ڈھیلا اور پانی دونوں استعمال کرتے تھے، اللہ تبارک و تعالیٰ نے ان کی مدح فرمائی اور قرآن کریم کی یہ آیت نازل فرمائی: (فیہ رجال یحبون ان یتطہروا واللہ یحب المصلحین) (القرآن التوبہ: 801) اس میں ایسے لوگ ہیں جو پاک رہنے کو دوست رکھتے ہیں اور اللہ پاک رہنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پاکی کو ادھا ایمان قرار دیا ہے، ایک حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ تبارک و تعالیٰ صاف ستھرے ہیں اور صفائی ستھرائی کو پسند فرماتے ہیں۔ ایک روایت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تنظفوا بکل ما استطعتم، فان اللہ تعالیٰ بنی الاسلام علی النظافة، ولن یدخل الجنة الا کل نظیف اپنی وسعت و حیثیت کے بقدر پاک و صاف رہنے کا اہتمام کرو، کیونکہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اسلام کی بنیاد ہی نفاذ پر رکھی ہے اور جنت میں داخل ہی وہ شخص ہوگا جو پاک و صاف رہنے کا اہتمام کرتا ہو۔ نماز اسلام کا دوسرا اہم رکن ہے، اس کی ادائیگی کے لئے بھی جسم، کپڑے اور جگہ کی طہارت کو شرط قرار دیا گیا ہے، پھر وضو پر وضو کی ترغیب، ریح خارج ہو تو وضو کا حکم، جسم کے کسی حصہ سے خون نکلے تو وضو کا حکم، ہر عضو کو تین مرتبہ دھونے کا حکم، وضو کے وقت مسواک کی ترغیب، کلی کرتے وقت غرغره کی ترغیب،

ناک کی آلائش کو صاف کرنے کا حکم، جنابت لاحق ہونے کے بعد غسل کرنے کی تاکید، غسل میں ممکنہ حد تک پورے جسم پر پانی بہانے کا حکم، زائد موٹھوں کو تراشنے کا حکم، موٹھ سے بے بالوں کو اکھاڑنے کا حکم، زیر ناف بالوں کی صفائی کا حکم، ہر ہفتہ ناخن کاٹنے کا حکم، استنجاء میں ڈھیلے اور پانی دونوں کو جمع کرنے کی ترغیب، بیت الخلاء میں جوتے پہن کر داخل ہونے کا حکم، پیشاب کے چھینٹوں سے بچنے کے لئے بیٹھ کر پیشاب کرنے کا حکم، قضائے حاجت کے بعد ہاتھ کو مٹی سے رگڑ کر دھونے کا حکم، نیند سے بیدار ہونے کے بعد پانی استعمال کرنے سے پہلے ہاتھ دھونے کا حکم، پانی اگر موجود نہ ہو یا پانی کے استعمال سے ضرر شدید لاحق ہونے کا اندیشہ ہو تو تیمم کا حکم دیا گیا ہے، جس میں گرچہ چہرہ اور ہاتھ گرد و غبار سے کچھ نہ کچھ آلودہ ہو جاتے ہیں، تاہم نفسیاتی طور پر صفائی و ستھرائی کا احساس باقی رہتا اور ذہنی طور پر انسان اپنے کو پاک و صاف سمجھتا ہے۔ یہ تمام باتیں ایک انسان کو طہارت و صفائی کے حوالے سے حساس بناتی ہیں اور انسان کو نفاست پسند، پاک باز، خوش منظر اور خوش جمال بناتی ہیں۔

احادیث شریفہ میں طہارت و صفائی کے بڑے فوائد بیان کئے گئے ہیں، ایک روایت میں ہے کہ جو شخص پاکی کی حالت میں سوتا ہے فرشتے اس کے لئے مغفرت کی دعا کرتے ہیں۔ (مجمع الزوائد و منبع الفوائد،

حدیث نمبر: 4411) ایک روایت میں ہے کہ جو شخص اپنے گھر، آنگن اور استعمال کی چیزوں کی صفائی ستھرائی کا اہتمام کرتا ہے تو اس سے فقر و تنگ دستی دور ہوتی ہے اور غنا و مالداری نصیب ہوتی ہے۔ (کنز العمال، حدیث نمبر: 25999) ایک روایت میں آتا ہے کہ جو شخص اچھی طرح وضو کر کے مسجد میں جانے کا اہتمام کرے تو وہ نماز کی حالت میں شمار کیا جاتا ہے، جب تک کہ اس کا وضو نہ ٹوٹ جائے، ایک حدیث میں آتا ہے کہ قیامت کے دن وضو کی وجہ سے امت محمدیہ کے اعضاء خوب چمک دار اور روشن ہوں گے اور اسی سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کو پہچانیں گے۔

(بخاری شریف، حدیث نمبر: 136) طہارت و نظافت کا اہتمام نہ کرنے پر احادیث شریفہ میں بڑی وعیدیں آئیں ہیں، ایک حدیث شریفہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عام طور پر عذاب قبر پیشاب سے نہ بچنے کی وجہ سے ہوتا ہے۔ (ابن ماجہ، حدیث نمبر: 348) ایک روایت میں آتا ہے کہ آپ علیہ السلام دو قبروں کے پاس سے گزرے اور فرمایا کہ ان دونوں قبر والوں کو عذاب ہو رہا ہے، کیونکہ ان میں سے ایک پیشاب کے چھینٹوں سے احتیاط نہیں کرتا تھا اور دوسرا چغلی کرتا تھا۔ (بخاری، حدیث نمبر: 216) ایک روایت میں آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ جس گھر میں جنبی ناپاک شخص ہو اس میں

رحمت کے فرشتے داخل نہیں ہوتے۔ (ابوداؤد، حدیث نمبر: 227)

اس کے علاوہ طہارت و نظافت کا اہتمام کرنے سے انسان کو طبی فوائد بھی حاصل ہوتے ہیں، صفائی ستھرائی حفظانِ صحت میں معین و مددگار ثابت ہوتی ہے، نفاست و پاکیزگی کا اگر کوئی انسان التزام کر لے تو بہت سی بیماریوں سے حفاظت ہو سکتی ہے، شرعی اور طبی نقطہ نظر سے جہاں ایک انسان کے لئے نفاست و پاکیزگی کا اہتمام ضروری اور ناگزیر ہے، وہیں عقل انسانی بھی نفاست و پاکیزگی کی متقاضی ہے، جو انسان طہارت و صفائی کا اہتمام کرتا ہے لوگ اس سے محبت کرتے ہیں، خوش اخلاقی اور ملن ساری سے پیش آتے ہیں، مجلس میں آگے جگہ ملتی ہے، اس کے برعکس جو انسان گندہ رہتا ہے، میلے کچلے لباس پہنتا ہے، اپنی وضع اور ہیئت کو خوش منظر نہیں بناتا ہے تو لوگ اس سے نفرت کرتے ہیں، اس کو دیکھ کر لوگوں کو انقباض اور تکدر ہوتا ہے، مجلس میں پیچھے جگہ ملتی ہے، معاشرہ کے اندر ایسے انسان کو عزت و عظمت کی نگاہ سے نہیں دیکھا جاتا۔

موجودہ دور میں مسلمانوں میں دین بیزاری اور احکام شریعت سے غفلت ولا پرواہی عام ہے، اسلام کی ساری تعلیمات و ہدایت کو وہ فراموش کر بیٹھے ہیں، اسلامی معاشرہ میں انگریزی تہذیب و کچر کی جڑیں گہری ہو چکی ہیں، مسلم معاشرہ سے

اسلامی اطوار و عادات ناپید اور منقار ہو گئے ہیں، طہارت و نظافت جو کسی مسلمانوں کا طرہ امتیاز تھا، سرمایہ عز و افتخار تھا، افسوس آج مسلمان اس سے بیگانہ ہو گئے ہیں، ہمارے بہت سے مسلمان بھائی طہارت و نظافت کے احکام سے نا آشنا و نابلد ہیں، وضو اور غسل کے فرائض تک کا ان کو پتہ نہیں، نجاست و ناپاکی کے ازالہ کا طریقہ کیا ہے، کن چیزوں سے وضو ٹوٹ جاتا ہے، استنجاء کے آداب کیا ہیں، جنابت کے احکام کیا ہیں، حیض و نفاس کے احکام کیا ہیں، ان جیسے روزمرہ پیش آنے والے عام مسائل کی نئی نسل کو خبر نہیں، یہ صورت حال کافی افسوسناک اور غم انگیز ہے، موجودہ زمانہ میں ضرورت اس بات کی ہے کہ نئی نسل کے سامنے طہارت و صفائی کی اہمیت اور عظمت کو اجاگر کیا جائے، طہارت کے بنیادی احکام سے انہیں روشناس کرایا جائے، اسلامی تہذیب و ثقافت سے محبت کا نقش ان کے دلوں میں ٹھمایا جائے، اللہ تبارک و تعالیٰ سے دعا ہے کہ امت مسلمہ کو حق بات سمجھنے اور اس پر عمل پیرا ہونے کی توفیق نصیب فرمائے۔ آمین ثم آمین۔



نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات

50 سے 60 سال کی عمر میں آپ

صلی اللہ علیہ وسلم نے چند نکاح کئے۔ یہ نکاح کسی خواہش کو پوری کرنے کے لئے نہیں کئے کہ خواہش 50 سال کی عمر کے بعد اچانک ظاہر ہوگئی ہو۔ اگر خواہش پوری کرنے کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نکاح

فرماتے تو کنواری لڑکیوں سے شادی کرتے۔ نیز حدیث میں آتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی عورت سے شادی نہیں کی اور نہ کسی بیٹی کا نکاح کرایا مگر اللہ کی طرف سے حضرت جبرئیل علیہ السلام وحی لے کر آئے۔ بلکہ چند سیاسی و دینی و اجتماعی اسباب کو سامنے رکھ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نکاح کئے۔ ان سیاسی و دینی اجتماعی اسباب کا بیان مضمون کے آخر میں آ رہا ہے۔

سب سے قبل نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کسی ازواج مطہرات کا مختصر تعارف

○..... ام المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا: یہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پہلی بیوی ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دیانت، کمال اور برکت کو دیکھ کر انہوں نے خود شادی کی درخواست کی تھی۔ نکاح کے وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر 25 سال اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی عمر 40 سال تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی چاروں بیٹیاں (زینب، رقیہ، ام کلثوم اور فاطمہ رضی اللہ عنہا) اور ابراہیم رضی اللہ عنہ

کرو۔ یعنی ازواج مطہرات (نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویاں) تمام ایمان والوں کیلئے ماں (ام المومنین) کا درجہ رکھتی ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے چند نکاح فرمائے۔ ان میں سے صرف حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کنواری تھیں، باقی سب بیوہ یا مطلقہ تھیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے پہلا نکاح 25 سال کی عمر میں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے کیا۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی عمر نکاح کے وقت 40 سال تھی، یعنی حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے عمر میں 15 سال بڑی تھیں۔ نیز وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نکاح کرنے سے پہلے دو شادیاں کر چکی تھیں اور ان کے پہلے شوہروں سے بچے بھی تھے۔ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر 50 سال کی ہوئی تو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا انتقال ہو گیا۔ اس طرح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی پوری جوانی (25 سے 50 سال کی عمر) صرف ایک بیوہ عورت حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ گزار دی۔

ازواج مطہرات (نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویوں) کے متعلق اللہ تعالیٰ اپنے کلام (سورہ احزاب، آیت: 23) میں ارشاد فرماتا ہے۔ (يَا نِسَاءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَأَحَدٍ مِّنَ النِّسَاءِ.....) اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج (مطہرات) تم عام عورتوں کی طرح نہیں ہو۔ تم بلند مقام کی حامل ہو۔ تمہاری ایک غلطی پر دو گنا عذاب دیا جائے گا اور اسی طرح تم میں سے جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرے گی اور نیک کام کرے گی ہم اسے اجر (بھی) دوہرا دیں گے اور اس کے لئے ہم نے بہترین روزی تیار کر رکھی ہے۔ جیسا کہ سورہ احزاب آیت 30 اور 31 میں مذکور ہے۔

قرآن کریم روز قیامت تک کے لئے لوگوں سے مخاطب ہے: (وَلَا أَنْ تَنْكِحُوا زَوَاجًا مِنْ بَعْدِهِ أَبَدًا) (سورہ احزاب، آیت: 53) اے ایمان والو! تمہارے لئے یہ حلال نہیں ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ان کی ازواج مطہرات میں سے کسی سے نکاح

کے علاوہ دونوں بیٹے (قاسم اور عبداللہ رضی اللہ عنہما) حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا ہی سے پیدا ہوئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پہلی بیوی حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے انتقال کے وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر 50 سال تھی۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا انتقال نبوت کے دسویں سال ہوا، اس وقت حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی عمر 65 سال تھی۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی سچائی اور نمکساری کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کی وفات کے بعد بھی ہمیشہ یاد فرماتے تھے۔

○..... ام المومنین حضرت سودہ رضی اللہ عنہا: یہ اپنے شوہر (سکران بن عمرو) کے ساتھ مسلمان ہوئی تھیں، ان کی ماں بھی مسلمان ہو گئی تھیں، ماں اور شوہر کے ساتھ ہجرت کر کے حبشہ چلی گئی تھیں۔ وہاں ان کے شوہر کا

انتقال ہو گیا۔ جب اُن کا کوئی بظاہر دنیاوی سہارا نہ رہا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد نبوت کے دسویں سال ان سے نکاح کر لیا۔ اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر 50 سال اور حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کی عمر 55 سال تھی اور یہ اسلام میں سب سے پہلی بیوہ عورت تھیں۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے انتقال کے بعد تقریباً تین

چار سال تک صرف حضرت سودہ رضی اللہ عنہا ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہیں، کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی رخصتی، نکاح کے تین یا چار سال بعد مدینہ منورہ میں ہوئی غرض تقریباً 55 سال کی عمر تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صرف

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے چند نکاح

فرمائے۔ ان میں سے صرف حضرت عائشہ رضی اللہ

عنها کنواری تھیں، باقی سب بیوہ یا مطلقہ تھیں۔ نبی اکرم صلی

اللہ علیہ وسلم نے سب سے پہلا نکاح 25 سال کی عمر میں حضرت

خدیجہ رضی اللہ عنہا سے کیا۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی عمر نکاح کے

وقت 40 سال تھی، یعنی حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم

سے عمر میں 15 سال بڑی تھیں۔ نیز وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ

نکاح کرنے سے پہلے دو شادیاں کر چکی تھیں اور ان کے پہلے شوہروں سے

بچے بھی تھے۔ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر 50 سال کی ہوئی تو

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا انتقال ہو گیا۔ اس طرح نبی اکرم صلی

اللہ علیہ وسلم نے اپنی پوری جوانی (25 سے 50 سال کی

عمر) صرف ایک بیوہ عورت حضرت خدیجہ رضی

اللہ عنہا کے ساتھ گزار دی۔

ایک ہی عورت رہی اور وہ

بھی بیوہ۔ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کا

انتقال 54 ہجری میں ہوا۔

○..... ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ

عنها: یہ خلیفہ اہل حضرت ابو بکر صدیق رضی

اللہ عنہ کی بیٹی ہیں۔ حضرت ابو بکر صدیق

رضی اللہ عنہ کی آرزو تھی کہ میری بیٹی نبی کے

گھر میں ہو۔ چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا نکاح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مکہ ہی میں ہو گیا تھا۔ مگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر (مدینہ منورہ) میں 2 ہجری کو آئیں۔ یعنی 3، 4 سال بعد رخصتی ہوئی۔ اُس وقت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر 55 سال تھی۔ جیسے باپ نے

اسلام کی بڑی بڑی خدمات انجام دی

تھیں، بیٹی بھی ایسی ہی عالمہ و فاضلہ

ہوئیں کہ بڑے بڑے صحابہ کرام

اُن سے مسائل دریافت فرمایا

کرتے تھے۔ 2210

احادیث کی روایت اُن سے

ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی

اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ

بن عمر رضی اللہ عنہ کے بعد

سب سے زیادہ احادیث

ہی مروی ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ

علیہ وسلم کی صرف حضرت عائشہ رضی اللہ

عنها ہی کنواری بیوی تھیں، باقی سب بیوہ یا

مطلقہ تھیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بہت زیادہ

محبت کرتے تھے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ

عنها کے حجرہ میں ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم

کی وفات ہوئی اور اسی میں آپ صلی اللہ

علیہ وسلم مدفون ہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ

عنها 57 یا 58 ہجری میں انتقال ہوا۔

○.....ام المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا بنت عمر رضی اللہ عنہ: یہ خلیفہ ثانی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی بیٹی ہیں۔ انہوں نے اپنے پہلے شوہر کے ساتھ حبشہ اور پھر مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی تھی۔ ان کے شوہر غزوہ احد میں زخمی ہو گئے تھے اور انہیں زخموں سے تاب نہ لاکر انتقال فرما گئے تھے۔ اس طرح حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا بیوہ ہو گئیں تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے 3 ہجری میں نکاح فرمایا۔ اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر 56 سال کی تھی۔ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا بہت زیادہ عبادت گزار تھیں۔ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کا انتقال 41 یا 45 ہجری میں ہوا۔

○.....ام المومنین حضرت زینب رضی اللہ عنہا بنت خزیمہ: ان کا پہلا نکاح طفیل بن حارث سے، پھر عبیدہ بن حارث سے ہوا تھا۔ یہ دونوں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حقیقی چچیرے بھائی تھے۔ تیسرا نکاح حضرت عبد اللہ بن جحش رضی اللہ عنہ سے ہوا تھا، یہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پھوپھی زاد بھائی تھے، وہ جنگ احد میں شہید ہوئے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے تیسرے شوہر کے انتقال کے بعد ان سے 3 ہجری میں نکاح کر لیا۔ اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر 56 سال کی تھی۔ وہ نکاح کے بعد صرف تین ماہ زندہ رہیں۔ یہ

غریبوں کی اتنی مدد اور پرورش کیا کرتی تھیں کہ ان کا لقب ام المساکین (مسکینوں کی ماں) پڑ گیا تھا۔

○.....ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا: ان کا پہلا نکاح حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ سے ہوا تھا، جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پھوپھی زاد بھائی تھے۔ انہوں نے اپنے شوہر کے ساتھ حبشہ اور پھر مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی تھی۔ ان کے شوہر حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کی جنگ احد کے زخموں سے وفات ہو گئی تھی۔ چار بچے یتیم چھوڑے۔ جب کوئی بظاہر دنیاوی سہارا نہ رہا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بے کس بچوں اور ان کی حالت پر رحم کھا کر ان سے 3 ہجری میں نکاح کر لیا۔ نکاح کے وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر 56 سال تھی۔

58 یا 61 ہجری میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا انتقال ہو گیا۔ امہات المومنین میں سب سے آخر میں انہیں کا انتقال ہوا۔

غرضیکہ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا، حضرت زینب رضی اللہ عنہا بنت خزیمہ رضی اللہ عنہ اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے شوہر غزوہ احد (3 ہجری) میں شہید ہوئے، یا زخموں کی تاب نہ لاکر انتقال فرما گئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان بیوہ عورتوں سے ان کے لئے دنیاوی سہارے کے طور پر نکاح فرمایا۔

○.....ام المومنین حضرت زینب بنت

جحش: یہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سگی پھوپھی زاد بہن تھیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا نکاح کو شش کر کے اپنے منہ بولے بیٹے (آزاد کردہ غلام) حضرت زید رضی اللہ عنہ سے کر دیا تھا۔ لیکن شوہر کی حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے ساتھ نہیں بنی اور بیوی کو چھوڑ دیا۔ اگرچہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے زید رضی اللہ عنہ کو بہت سمجھایا، مگر دونوں کا نباہ نہیں ہو سکا۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی اس مصیبت کا بدلہ اللہ نے یہ دیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ان کا نکاح 5 ہجری میں ہو گیا، یعنی اُس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر 58 سال تھی۔ زمانہ جاہلیت میں منہ بولے بیٹے کو حقیقی بیٹے کی طرح سمجھ کر اس کی مطلقہ یا بیوہ عورت سے نکاح کر کے امت مسلمہ کو یہ تعلیم دی کہ منہ بولے بیٹے کا حکم حقیقی بیٹے کی طرح نہیں ہے، یعنی منہ بولے بیٹے کی مطلقہ یا بیوہ عورت سے شادی کی جاسکتی ہے۔ یاد رکھیں کہ باپ اپنے حقیقی بیٹے کی مطلقہ یا بیوہ عورت سے کبھی بھی شادی نہیں کر سکتا۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا انتقال 20 ہجری میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں ہوا۔

○.....ام المومنین حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا: لڑائی میں پکڑی گئی تھیں اور حضرت ثابت بن قیسؓ کے حصہ میں آئیں، حضرت ثابت بن قیسؓ 20 سال کے نوجوان تھے۔

بچوں کی تربیت میں کوتاہی پر والدین سے باز پرس ہوگی

طرح پیش کیا جس طرح کہ میں نے اپنا دل نکال کر باپ کو دے دیا ہو۔ لیکن جس وقت وہ تکیہ میں نے پیش کیا اسی وقت والد صاحب نے مجھے ایک چپت رسید کی اور فرمایا: ابھی سے تو اس تکیے کو اپنا تکیہ کہتا ہے۔ مقصد یہ تھا کہ تکیہ تو درحقیقت باپ کی عطا ہے لہذا اس کو اپنی طرف منسوب کرنا یا اپنا قرار دینا غلط ہے۔ اس وقت تو مجھے بہت برا لگا کہ میں نے تو اپنا دل نکال کر باپ کو دے دیا تھا، اس کے جواب میں باپ نے ایک چپت لگا دی۔ لیکن آج سمجھ میں آیا کہ کتنی باریک بات پر اس وقت والد صاحب نے تنبیہ فرمائی تھی اور اس کے بعد سے ذہن کا گویا رخ ہی بدل گیا۔“

اس قسم کی چھوٹی چھوٹی باتوں پر ماں باپ کو نظر رکھنی چاہئے، تب جا کر بچے کی تربیت صحیح ہوتی ہے اور بچہ صحیح طور پر نکھر کر سامنے آتا ہے۔ مفتی اعظم بغداد علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر میں فرمایا ہے کہ قیامت کے دن سب سے زیادہ عذاب میں وہ شخص ہوگا جس نے اپنی اولاد کی تربیت میں کوتاہی کی۔ عرب دانشمندیوں کا کہنا ہے: ”صرف وہ یتیم نہیں جس کا باپ مر جائے، بلکہ وہ بھی یتیم ہے جسے دینی علم و ادب سے محروم رکھا گیا۔ اگر ہم نے اپنے بچوں کی درست تربیت کی تو وہ اپنی زندگی اغیار کے طریقے سے نہیں۔“

(باقی..... صفحہ..... 33..... پر)

فرماتے ہیں کہ سن بلوغ کو پہنچنے سے پہلے بچہ جتنے بھی نیک اعمال کرتے ہیں ان کا اجر اس کے والدین کو ملتا ہے، خواہ وہ اس کے لئے نیت یاد عا کرے یا نہ کرے۔

ماضی میں مسلمان اپنی اولاد کی درست اور دینی خطوط پر تربیت سے غافل نہ رہے۔ کیونکہ وہ جانتے تھے کہ یہ اس قدر اہم فریضہ ہے کہ بچے کی کیا تربیت کی تھی؟ اس کی ایک بھلک ذیل کے واقعے میں دیکھی جا سکتی ہے۔ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی بیٹی میں لکھا ہے: ”جب میں چھوٹا بچہ تھا تو ماں باپ نے میرے لئے ایک چھوٹا سا خوبصورت تکیہ بنا دیا تھا جیسا کہ عام طور پر بچوں کے لئے بنایا جاتا ہے۔ مجھے اس تکیے سے بڑی محبت تھی اور ہر وقت اس کو اپنے ساتھ رکھتا تھا۔ ایک دن میرے والد صاحب لیٹنا چاہ رہے تھے، ان کو تکیے کی ضرورت پیش آئی تو میں نے والد صاحب سے کہا کہ اباجی میرا تکیہ لے لیجئے۔ یہ کہہ کر میں نے اپنا تکیہ ان کو اس

خاتم المرسلین شفیع المذمبین رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اپنی اولاد اور گھر والوں کو خیر سکھاؤ اور باادب بناؤ۔ اپنی اولاد کو تین چیزیں سکھاؤ، اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اور ان کے اہل بیت رضی اللہ عنہم کی محبت اور قرآن کریم کی تلاوت۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نصیحت ہے کہ ہم اپنی اولاد کی بہتر تعلیم و تربیت کریں، یہی ان کے لئے سب سے قیمتی تحفہ و عطیہ ہے۔ کیونکہ ہر تحفہ، ہدیہ اور جائیداد وغیرہ جو ہم اپنی اولاد کو دیں گے وہ اسی دنیا تک محدود اور ایک دن ختم ہو جائے گی، لیکن صحیح تعلیم و تربیت ایسی لافانی و باقی رہنے والی نعمت ہے، جس کا فائدہ ہماری اور ہماری اولاد کی زندگی ہی تک نہیں، بلکہ موت کے بعد بھی جاری رہے گا۔ کیونکہ اولاد کی تربیت سے کئی نسلوں کی تربیت وابستہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نبی صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے اچھی اولاد کو صدقہ جاریہ میں شمار فرمایا ہے۔ فقہائے کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین یہ بھی



جھوٹ ایک عظیم گناہ

معاشرے کی تباہی و بربادی کا اہم سبب

ہم شامل نہیں؟ کیا ہمیں اس کا محاسبہ نہیں کرنا چاہئے؟ ایک اور حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اگر کوئی مذاق کے طور پر بھی جھوٹ بولے تو اس پر اللہ کی لعنت ہے۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ ایسے جھوٹ بولنے والوں کے لئے ہلاکت ہے جو لوگوں کو ہنسانے کے لئے جھوٹ بولتا ہے، اس کے لئے ہلاکت ہے اس کے لئے تباہی ہے۔

(ترمذی) ان احادیث کی روشنی میں ہمیں غور کرنا چاہئے کہ کیا ہماری مجالس، محفلیں، ہولٹیں، بازار، دوکان اور ہمارے گھر وغیرہ اس سے محفوظ ہیں؟ نہیں تو آخر اس کی وجہ کیا ہے؟ جھوٹ بولنا بہت بہت گناہ ہے مگر دو متحارب فریقوں یا دو لوگوں کے درمیان مصالحت کر دینا اور اس کے لئے محض صلح جوئی، فتنہ و فساد کے خاتمے کی نیت سے کچھ جھوٹی باتیں کہہ دینا جائز ہے اور اس کی اجازت دی گئی ہے، ایسا شخص جھوٹا اور گناہگار نہیں کہلائے گا، مگر یہ ضروری ہے کہ وہ باتیں خیر و بھلائی کی ہی ہوں، جو ایک دوسرے کی طرف منسوب کر کے پہنچائی جائیں، ان میں فسق و شرک نہ ہو، بخاری کی حدیث میں ہے وہ آدمی جھوٹا نہیں جو لوگوں کے درمیان صلح کراتا ہے پھر خیر کی باتیں پہنچاتا ہے یا اچھی باتیں کہتا ہے اور مسلم شریف کی ایک حدیث میں ہے کہ صرف تین مواقع ایسے ہیں جہاں جھوٹ بولنے کی اجازت دی گئی ہے۔

(باقی..... صفحہ..... 39..... پر)

کی خاطر جھوٹ زبان سے نکال دیتے ہیں، سماج میں اب یہ رواج عام ہو گیا ہے، جب کہ بڑی تاکید کے ساتھ جھوٹ بولنے اور جھوٹی بات کہنے سے منع کیا گیا ہے اور اس کو شرک کے برابر قرار دیا گیا ہے چنانچہ قرآن کریم میں ایک جگہ ہے کہ تم بت پرستی کی گندگی اور جھوٹی بات کہنے سے بچو (سورۃ الحج) اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث میں ارشاد فرمایا کہ تین چیزیں منافق کی نشانیوں میں سے ہیں، جب بات کرے تو جھوٹ بولے، کسی سے کوئی وعدہ کرے تو اس کی خلاف ورزی کرے، اور امانت میں خیانت کرے۔ (بخاری) اور ایک دوسری روایت میں ہے کہ اگرچہ وہ روزہ رکھے، نماز پڑھے اور لوگ اس کو مسلمان سمجھیں مگر پھر بھی وہ منافق ہے، غور کرنے کی بات ہے کہ جھوٹے لوگوں کے لئے کتنی سخت وعیدیں آئی ہوئی ہیں، کیا ہمارا کوئی بھی کام آج جھوٹ سے خالی ہوتا ہے؟ ہر گھنٹہ اور ہر منٹ بلکہ ہر سیکنڈ پر آج لوگ جھوٹ بول رہے ہیں، پھر کیا اس وعید میں

ہمارا معاشرہ جس تیز رفتاری سے تنزیل کا شکار ہے اور جتنی تیزی سے مسائل کا انبار لگتا جا رہا ہے، یہ بڑا تشویشناک ہے، ہر آنے والی صبح اور دن سماج پرستی کی جانب گامزن ہے، اگر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ اس کے مختلف وجوہات اور اسباب ہیں جن کی وجہ سے ہمارا معاشرہ افراتفری کا شکار ہے، ان میں سے ایک بنیادی وجہ کثرت سے جھوٹ کا استعمال بھی ہے، اور آج جھوٹ ہماری زندگی میں اس طرح سرایت کر گیا ہے جس طرح جسم میں خون گردش کر رہا ہے، چلتے پھرتے، اٹھتے بیٹھتے زبان سے جھوٹ کا اس قدر کثرت سے استعمال ہو رہا ہے کہ ہمیں احساس تک نہیں ہوتا کہ یہ جھوٹ کوئی گناہ ہی نہیں بلکہ گناہ عظیم اور کبیرہ گناہ ہے جو بغیر توبہ کے ہرگز معاف نہیں ہو سکتا، لیکن افسوس کہ آج یہ ہمارے معاشرے میں فیشن سمجھا جاتا ہے، اور عام لوگوں کے علاوہ نمازی، پرہیزگار جیسے لوگ بھی بعض اوقات خود کو بڑا ظاہر کرنے کی خاطر بعض اوقات فائدہ حاصل کرنے کے لئے اور بعض وقت مذاق

سوال و جواب

مفتی راشد حسین ندوی

17/87، ہند یہ۔ 5/316، الانتہاء

س: موبائل میں قرآن و حدیث یا ادعیہ ماثورہ کو تحریری شکل میں محفوظ کرنا کیسا ہے؟ ایسے موبائل کو استنجاء خانے لے جانا کیسا ہے؟
ج: موبائل میں قرآن و حدیث اور باثورہ دعائیں محفوظ کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ موبائل بند ہو یا وہ پروگرام بند ہو جس میں یہ چیزیں محفوظ ہیں تو موبائل استنجاء خانے لے جانے کی گنجائش ہوگی۔ لیکن یہ چیزیں اسکرین پر ظاہر ہیں تو اس حالت میں موبائل کو گندی جگہوں پر لے جانا بلاشبہ بے ادبی ہے۔ (شامی-5)

س: موبائل میں فیڈ کر لئی جانے والی آیات قرآنیہ احادیث کا ڈیلیٹ کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟
ج: جائز ہے، فقہاء نے لکھا ہے کہ سختی پر قرآن لکھا ہو تو اس کو مٹایا جاسکتا ہے۔ یہ اسی طرح کی چیز ہے۔ بلکہ اس سے بھی ہلکی چیز ہے، بعض حضرات کو اس میں اس لئے توہین محسوس ہوتی ہے کہ موبائل میں ڈسٹ بن کی صورت بنی ہوئی ہے، مٹائی ہوئی چیز اس میں جاتی ہے، لیکن حقیقت میں ڈسٹ بن میں کوئی چیز نہیں جاتی صرف موبائل کی میموری سے محو کردی جاتی ہے لہذا اس میں توہین کا پہلو نکتا ہے اور جائز ہے۔ (ہند یہ-5/322)

س: طواف کے دوران موبائل پر بات کرنا کیسا ہے؟
ج: طواف کے دوران فضول بات چیز منع ہے، ضروری بات چیت جائز ہے، لہذا موبائل پر ضروری بات کی جاسکتی ہے، لیکن فضول اور لمبی بات سے بچنا چاہئے۔ (شامی-2/183)

میں منع کیا گیا ہے۔ "اذا حدث الرجل الحدیث ثم التفت فہی امانۃ۔" (ترمذی ابواب البر والصلۃ باب ما جاء ان المجالس بالامانۃ) اور ریکارڈ کرنے کے بعد اس کا خطرہ ہے کہ امانت میں خیانت ہو جائے اور بات دوسروں تک پہنچ جائے لہذا ابلا اجازت ایسا کرنا ممنوع ہوگا۔

س: موبائل کی رنگ ٹون میں اذان، آیت قرآنی یا نعت وغیرہ فیڈ کر لینا کیسا ہے؟
ج: رنگ ٹون کا مقصد اس بات کی اطلاع دینا ہے کہ کوئی شخص آپ سے بات کرنے کا متنبی ہے۔ اس اطلاعی مقصد کو حاصل کرنے کے لئے قرآن پاک کی آیات یا اذان کی آواز کو استعمال کرنا بے محل ہے، بلکہ ایک درجہ میں اس سے ان مقدس کلمات کی توہین کا پہلو نکلتا ہے، اسی بناء پر حضرات فقہاء نے اس طرح کے مقاصد میں کلمات ذکر کا استعمال ناجائز قرار دیا ہے، لہذا موبائل کی رنگ ٹون میں اذان، آیات قرآنی اور نعت وغیرہ فیڈ کرنا درست نہیں ہے۔ علاوہ ازیں بعض مرتبہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ آدمی استنجاء خانے میں موبائل لے کر جاتا ہے اور وہیں کال آنے پر قرآن کی آیت کی آواز آنی شروع ہو جاتی ہے، اس میں بھی اہانت کا پہلو نکلتا ہے۔ بہر حال اس سے احتراز لازم ہے۔ (کتاب النوازل-

س: عوام میں مشہور ہے کہ رات کو جھاڑو لگانا شرعاً ممنوع ہے۔ اس کی کیا حقیقت ہے؟
ج: قرآن و حدیث میں رات کو جھاڑو لگانے کی کوئی ممانعت نہیں ہے، شرعاً کسی وقت بھی حسب ضرورت جھاڑو لگائی جاسکتی ہے۔ پہلے شاید اس لئے اس سے منع کرتے رہے ہوں گے کہ رات میں روشنی کا معقول انتظام نہیں ہوتا تھا، تو خطرہ ہوتا تھا کہ جھاڑو لگانے سے کسی زہریلے کیڑے کوڑے سے سابقہ نہ پڑ جائے، لیکن اب تو عام طور سے اس طرح کی بھی کوئی بات نہیں ہوتی، خوب روشنی رات کو بھی رہتی ہے، لہذا رات کو جھاڑو لگا سکتے ہیں۔

س: اگر میرے موبائل میں ریکارڈنگ کی سہولت ہے تو کسی کا فون آنے پر کیا اس کی گفتگو میں ریکارڈ کر سکتا ہوں؟ یا اس کی اجازت ضروری ہے؟
ج: اگر کوئی عام بات ہو جس کو ریکارڈ کرنے سے نہ گفتگو کرنے والے کو کوئی نقصان ہو نہ اعتراض کا کوئی خطرہ ہو تو اس کو ریکارڈ کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ لیکن اگر کوئی ایسی بات کہی گئی جس کو عام کرنے سے گفتگو کرنے والے کو ضرر ہو سکتا ہے، یا اس کو اعتراض ہو سکتا ہے۔ یا کوئی راز والی بات کی گئی تھی تو اس کی حیثیت ایک امانت کی ہے جس کا کسی اور کے پاس اظہار کرنے کو حدیث شریف

میں نے کیوں اسلام قبول کیا؟

اہم سفیان

ایک مصری عیسائی خاتون کا قبول اسلام

موڈت اور انس بھرے سلوک نے اس کی آنکھیں کھول دیں۔ ان میں سے ایک یعنی حناء کے ساتھ تو اس کے بہت گہرے مراسم ہو گئے اور ان دونوں میں اتنی گہری دوستی ہو گئی کہ وہ ایک لمحہ بھی اس سے جدائی برداشت نہیں کر سکتی تھی، سوائے اس پیریڈ کے جس میں ایک عیسائی معلمہ اسے مسیحی مذہب کی تعلیم دیتی تھی۔ اس پیریڈ میں بارہا ثناء کے ذہن میں یہ سوال پیدا ہوتا کہ وہ اپنی معلمہ سے پوچھے کہ مسلمان اس قدر

سناتا اور یہ بڑے غور سے سنتی۔ پادری عقیدہ تثلیث پر سچے رہنے کی یہاں تک کہ تلقین کرتا کہ تثلیث پر عقیدہ رکھے بغیر کوئی غیر مسیحی نیکی اور بھلائی کا کوئی بھی کام سرانجام دے وہ عند اللہ ماجور و مقبول نہیں بلکہ مغضوب ہے کیونکہ اس کے گمان کے مطابق یہ کفر والحاد ہے۔

ثناء پادری کے وعظ کو دوسرے بچوں کی طرح بے دھیانی سے سنتی اور پھر جیسے ہی گرجا سے نکلتی اپنی مسلمان سہیلی حناء کے ساتھ کھیلنے کے لئے دوڑ پڑتی۔ کیونکہ بچپن میں انسان کا ذہن صاف سلیٹ یا کورے کاغذ کی مانند ہوتا ہے، اس پر پادری کے وعظ بھی ایک دوسرے سے نفرت اور تعصب پیدا نہیں کر سکتے۔

ثناء جب ذرا بڑی ہوئی تو اسکول میں داخل کرادی گئی جہاں اس کا واسطہ کئی مسلمان لڑکیوں سے پڑا جو پادری کے وعظ کے برعکس اس کے ساتھ بہنوں کا سلسلہ کر تیں اور اسے کبھی یہ احساس نہ ہونے دیتیں کہ وہ ایک غیر مسلم ہے۔ یہاں ان کے محبت و

”انسان کے لئے اس سے بڑی کوئی سعادت نہیں کہ اللہ عزوجل اسے راہ ہدایت اور ایمان کی دولت سے نواز دے۔ ایمان ایسی لازوال نعمت ہے کہ جس کی ابدی حلاوت اسی کو نصیب ہوتی ہے جسے خدا چاہے اور مجھ سے زیادہ خوش بخت اور سعید دنیا میں اور کون ہوگا جسے اللہ کریم نے صراط مستقیم یعنی اسلام اور ایمان کی راہ بھائی اور ضلالت و گمراہی کی جہالت سے اور دوزخ کی آگ سے نجات دی۔“

ان کلمات تشکر کے ساتھ نو مسلمہ ثناء کفر و شرک کی ضلالت کو چھوڑ کر اپنے قبول اسلام کا واقعہ بڑے پر جوش انداز میں بیان کرتی ہے۔ ثناء مصر کے ایک عیسائی گھرانے میں پیدا ہوئی۔ ہر عیسائی کی طرح ہر اتوار کو اپنے والدین کے ساتھ گرجا جانا اس کا معمول تھا۔ وہاں وہ پادری کے ہاتھ چومتی اور سب کے ساتھ مل کر یسوع مسیح کی حمد میں ترانے گاتی۔ پھر پادری سب کو اناجیل اربعہ کی کچھ عبارتیں

بااخلاق، مہذب و متمدن اور غیر متعصب ہونے کے باوجود آخر کیسے غیر مومن اور طرد و کافر ہیں جب کہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بھی مانتے ہیں؟ لیکن استانی کے غیظ و غضب کے ڈر سے وہ یہ سوال نہ کر سکتی۔ تاہم ایک دن اس نے یہ بات کر ہی دی اور اس اچانک سوال نے استانی کو حیران و پریشان کر دیا۔ اس نے اپنا غصہ دبانے اور چھپانے کی کوشش کرتے ہوئے اتنا کہا ”ثناء تم ابھی کسمن ہو، یہ باتیں ابھی نہیں سمجھو گی۔ خبردار مسلمانوں کے اخلاق و مروت تمہیں دھوکے میں نہ ڈال دیں، جب بڑی ہوگی تو ہماری طرح ان کی اصل حقیقت خود بخود تم پر آشکارا ہو جائے گی۔“ ثناء کو معلمہ کا یہ غیر مناسب اور قطعی غیر منطقی جواب مطمئن نہ کر سکا۔

اسی اثناء میں ثناء کی عزیز ترین سہیلی حناء کے والد کا تبادلہ قاہرہ میں ہو گیا اور وہ قاہرہ جانے کی تیاریاں کرنے لگے۔ جس دن حناء کو قاہرہ جانا تھا دونوں سہیلیاں جدائی

کے غم میں آپس میں مل کر خوب روئیں۔ پھر اپنی دوستی کی یادگار کے طور پر دونوں نے تحائف کا تبادلہ کیا۔ ثناء نے ایک خوبصورت ڈبے میں بڑے سلیقے اور احترام کے ساتھ قرآن مجید کا تحفہ ثناء کو پیش کیا اور کہا ”میں نے بہت سوچا اور غور کیا لیکن مجھے اس سے زیادہ قیمتی تحفہ اور کوئی نظر نہ آیا“ ثناء نے بڑی عقیدت اور محبت کے ساتھ اس انمول تحفے کو بوسہ دیا اور حناء کا بہت بہت شکر یہ ادا کیا۔ ظاہر ہے کہ اسے یہ تحفہ اپنے خاندان والوں کی نظر سے چھپا کر رکھنا تھا۔

حناء کے قاہرہ چلے جانے کے بعد یہی تحفہ اس کا واحد سہارا رہ گیا تھا۔ جونہی پڑوس کی مسجد سے مسلمانوں کو نماز کی دعوت دینے کے لئے اذان کی آواز گونجتی، ثناء قرآن مجید نکال لیتی اور اسے عقیدت سے چومتی اور ساتھ ہی اپنے ارد گرد تجسس کی نظر ڈالتی کہ گھر کا کوئی فرد اسے ایسا کرتے ہوئے دیکھ تو نہیں رہا۔ ایسا کر کے اسے ایک قسم کی ڈھارس سی ملتی۔ دن گزرتے رہے، یہاں تک کہ ثناء کی شادی کنواری مریم کے گرجا کے نگران سے ہو گئی۔ وہ اس قیمتی تحفے کو لئے پیا کے گھر سدھاری جہاں اسے اس تحفے کو خاوند کی نظروں سے بھی چھپانا تھا۔

پھر ثناء کو محرمات کو روکنے والے دفتر میں ملازمت مل گئی جہاں باپروہ مسلمان لڑکیاں ملازم تھیں۔ یہاں ثناء کی دوستی کا دائرہ وسیع ہو گیا اور حناء کی دوستی کا اثر اور گہرا ہو گیا۔ ان مسلمان سہیلیوں اور پڑوسیوں

کے دین اور اخلاق و مروت سے متاثر ہو کر ثناء اسلام اور مسیحیت کا باہم موازنہ کرنے لگی۔ وہ گر جا گھر میں پادری اور دیگر متعصب عیسائیوں کی زبان سے مسلمانوں اور اسلام کے متعلق جو کچھ سنتی اس کا موازنہ وہ مسلمان سہیلیوں اور پڑوسیوں کے حسن سلوک سے کرتی تو ان میں واضح تضاد نظر آتا، نیز نہ جانے کیوں جب بھی قریبی مسجد سے اذان گونجتی تو ثناء اپنا دل خود بخود اس کی طرف کھینچتا ہوا محسوس کرتی۔ اس کا سبب اسے خود بھی معلوم نہ تھا۔

رفتہ رفتہ اس کے اندر حقیقت اسلام جاننے کا زبردست داعیہ پیدا ہو گیا۔ وہ خاوند کی عدم موجودگی میں ریڈیو پر شیخ الشعراوی، شیخ النجار اور شیخ النمر جیسے مشائخ کی اسلام کے مختلف موضوعات پر تقریریں سنتی جن میں اس کے دل و دماغ میں ابھرنے والے پریشان کن سوالات کا شافی جواب ملتا۔ مزید برآں شیخ محمد رفعت اور قاری عبدالباسط، عبدالصمد کی دل آویز تلاوت قرآن سنی جو اسے بہت اچھی لگتی اور وہ دل ہی دل میں سوچتی کہ یہ دل نشین کلام کسی بشر کا نہیں ہو سکتا۔ (جیسا کہ پادری صاحبان کا دعویٰ تھا کہ یہ قرآن محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنا کلام ہے) بلکہ یہ اللہ کا کلام ہے، یہ وحی الہی ہے۔

ایک روز جب کہ اس کا خاوند گرجا میں تھا، ثناء نے ڈرتے کانپتے ہاتھوں سے وہ مخفی خزانہ یعنی قرآن مجید نکالا۔ جب اسے کھولا تو اس کی نظر اس آیت کریمہ پر پڑی۔ ”بے

شک مثال عیسیٰ کی اللہ تعالیٰ کے نزدیک آدم علیہ السلام کی مانند ہے، بنایا اسے مٹی سے پھر فرمایا اسے ہو جا تو وہ ہو گیا۔“

(آل عمران: آیت-59)

اس کے ہاتھ کانپ رہے تھے اور پیشانی عرق آلود تھی بلکہ اس کے سارے بدن پر کچھکی طاری تھی۔ وہ خود حیران تھی کہ اس نے بارہا قرآن مجید ریڈیو، ٹیلی ویژن اور اپنی مسلمان سہیلیوں سے سنا تھا لیکن ایسی حالت اس کی کبھی نہ ہوئی تھی جو آج قرآن کی یہ آیت پڑھنے سے ہوئی تھی وہ اور پڑھنا چاہتی تھی کہ اسے خاوند کے بیرون دروازہ کھولنے کی آواز سنائی دی۔ اس نے جلدی سے قرآن کو چھپا دیا اور کپن میں چلی گئی جہاں وہ اس کے لئے خنزیر کے گوشت سے اس کی مرغوب ڈش تیار کر رہی تھی۔

اس واقعے کے اگلے دن جب وہ اپنے دفتر گئی تو کئی سوالات اس کے دل و دماغ میں ایک عجیب الجھل چمکے ہوئے تھے۔ اس آیت کریمہ نے اس قضیے کا فیصلہ کر دیا تھا۔ آیا عیسیٰ ابن اللہ تھے جیسا کہ عیسائی پادریوں کا عقیدہ تھا یا اللہ کے نبی، جیسا کہ قرآن کہتا ہے۔ اس آیت سے یہ ثابت ہوا کہ عیسیٰ علیہ السلام بھی صلب آدم سے تھے پھر وہ ابن اللہ کیسے رہے؟ اللہ تعالیٰ تو ان چیزوں سے پاک ہے۔ ”لم یلد ولم یولد ولم یکن له کفو احد۔“

اب ثناء پر یہ حقیقت آشکار ہو چکی تھی کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم بھی اللہ کے رسول

ہیں۔ وہ دل میں کلمہ طیبہ پر ایمان لاپچی تھی۔
 ”لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ“ لیکن اپنے دفتر
 میں بیٹھی وہ یہی سوچ رہی تھی کہ کیا اس مرحلے
 پر وہ اپنے اسلام کا اعلان کر سکتی ہے؟ وہ انہیں
 سوچوں میں مبتلا تھی کہ وہ اپنے اسلام کا
 اعلان کس طرح کرے؟ ابھی کرے کہ نہ
 کرے یا مزید انتظار کرے؟ حالات کے
 سازگار ہونے تک اسے ملتوی کر دے؟ بظاہر
 وہ اپنے کام میں مشغول تھی لیکن اس کے دل و
 دماغ انہیں سوچوں کی آماجگاہ بنے ہوئے
 تھے کہ اس کا یہ اقدام یعنی اعلان اسلام کا عمل
 اس کے خاندان، چرچ اور اس کے خاندان کی
 طرف سے کس قسم کا رد عمل پیدا کرے گا۔

کئی ہفتے وہ اس قسم کے خیالات کے
 ادھر بن میں غلطاں و بیچاں رہی۔ عمل اور
 رد عمل کے خوف میں مبتلا رہی۔ آخر وہ فیصلہ
 کن ساعت آ ہی گئی، وہ گھڑی آگئی جب
 اس نے ضلالت و گمراہی کے کمر توڑ بوجھ سے
 آزادی کا فیصلہ کر لیا۔ وہ دفتر میں انہیں
 خیالات و تفکرات میں کھوئی ہوئی تھی کہ اس
 نے قرہبی مسجد سے اذان کی آواز سنی جو
 مسلمانوں کو اپنے رب سے ملاقات اور نماز
 ظہر ادا کرنے کی دعوت دے رہی تھی۔ اس
 اذان نے اس کے اندر ایک طوفان پیا
 کر دیا۔ اسے ایسا لگا کہ وہ ضلالت و جہالت
 اور باطل کے گراں بوجھ تلے دبی ہوئی ہے
 اور حق کو جان لینے کے بعد اور ایک عرصے
 سے دل کے اندر حق کی طلب موجود ہونے
 کے باوجود حق کے اظہار سے گریز کر کے گناہ

عظیم کا ارتکاب کر رہی ہے۔ جب مؤذن
 نے ”اشہدان لا الہ الا اللہ“ کے بعد ”اشہدان
 محمد رسول اللہ“ کہا تو وہ دفعتاً اٹھ کھڑی ہوئی
 اور بلا جھجک بلند آواز سے گویا ہوئی:

”اشہد ان لا الہ الا اللہ و اشہد
 ان محمد رسول اللہ۔“

اس کے کمرے میں موجود اس کی
 مسلمان سہیلیاں جو اپنے اپنے کاموں میں
 مصروف تھیں، ثناء کے منہ سے کلمہ اسلام سن
 کر بے اختیار اس کی طرف بڑھیں۔ مبارک
 مبارک مرجا کی آوازیوں سے کمرہ گونج
 اٹھا۔ فرط مسرت سے ان کی آنکھوں میں
 خوشی کے آنسو تیرنے لگے۔ ہر ایک نے
 مبارکباد دینے ہوئے اسے گلے سے لگایا اور
 وہ بھی خوب ہنسنے پھینکنے لگی۔ اس کی
 آنکھیں بھی خوشی سے پر نم ہو گئیں۔ اس نے
 ان سے کہا سب میرے لئے دعا کرو کہ اللہ
 کریم میری گزشتہ کوتاہیاں اور گناہ معاف
 کر دے اور مجھے اسلام پر استقامت بخشے۔

ثناء کے قبول اسلام کی خبر آنا فانا جنگل
 کی آگ کی طرح تمام دفتر میں پھیل گئی اور
 اس کی عیسائی رفیق کار لڑکیوں نے یہ خبر اس
 کے خاندان تک پہنچانے میں ذرا دیر نہ لگائی
 اور غصے سے بیچ و تاب کھاتے ہوئے انہیں
 مشورہ دیا کہ قبل اس کے وہ عدالت میں جا کر
 باضابطہ طور پر اپنے قبول اسلام کا اعلان
 کر دے، اسے اس فعل سے روکیں۔ ادھر ثناء
 نے بھی فوراً عدالت میں جا کر باضابطہ طور پر
 اپنے قبول اسلام کا اعلان کر دیا کہ کہیں اس کا

خاندان اور خاندان والے اسے جبراً اعلان
 اسلام سے روک نہ دیں۔ یہ سب کچھ کر کے
 جب وہ گھر گئی تو اسے یہ معلوم کر کے ذرا بھی
 ملال نہ ہوا کہ اس کے خاندان نے اس کے
 ملبوسات اور زیورات اور مال و متاع پر قبضہ
 کر لیا ہے۔ اسے اگر فکر تھی تو یہ کہ خاندان اس
 کے بچوں کی تربیت گرجا میں دی جانے والی
 عقیدہ تثلیث کے مطابق نہ کرے اور انہیں
 بھی اپنی طرح جہنم کا ایندھن نہ بنائے۔

اللہ کریم نے اس کی یہ دعا قبول کی۔
 مسلمانوں کی ایک انجمن نے اس کی طرف
 سے عدالت میں یہ درخواست گزاری کہ بچے
 چونکہ کم سن ہیں، نابالغ ہیں تو والدہ کا حق ہے
 کہ ان کی پرورش کرے، لہذا اس کے حق میں
 فیصلہ کیا جائے۔ عدالت نے اس کے خاندان کو
 بلا کر پوچھا ”آیا وہ بھی اسلام قبول کر کے ثناء
 کے ساتھ رہنا چاہتا ہے؟ یا اپنے آبائی دین پر
 قائم رہ کر ثناء سے علاحدگی چاہتا ہے؟ کیونکہ
 قرآن کی رو سے ایک مسلمان عورت غیر مسلم
 خاندان کے نکاح میں نہیں رہ سکتی۔ اس کے
 خاندان نے قبول حق سے انکار کیا تو عدالت
 نے دونوں کے درمیان علاحدگی کرادی اور
 نابالغ بچوں کی پرورش کا بھی ثناء کے حق میں
 فیصلہ کر دیا کیونکہ وہ فطری طور پر والدہ سے
 زیادہ مانوس ہونے کی وجہ سے اسی کے ساتھ
 رہنا چاہتے تھے۔

ثناء کی مشکلات و مصائب اور ابتلاء و
 آزمائش کا دور اب شروع ہونے والا تھا۔ اگر
 اس کا خاندان اور خاندان فیصلہ ہو چکنے کے بعد

اسے اپنے حال پر چھوڑ دیتے تو وہ کسی نہ کسی طرح اپنا اور اپنے بچوں کا پیٹ پال لیتی لیکن انہوں نے ایک طرف تو اس سے قطع تعلق کر لیا اور دوسرے اسے اپنے آبائی مذہب پر لوٹانے کے لئے کئی حربے آزمائے اور بڑے جتن کیے۔ نیز اس کے جن مسلمان خاندانوں سے تعلقات تھے، انہیں دھمکیاں دینی شروع کیں کہ کسی طرح اس کی مدد نہ کریں لیکن انہیں شاید یہ علم نہیں تھا کہ اس کی

مددگار تو اللہ کریم کی ذات عالی ہے۔ ثناء نے اپنے رب سے دعا کی کہ اللہ کریم اسے ابتلاء و آزمائش کی ہر گھڑی میں ثابت قدم رکھے اور مخالفین کی تمام مذموم کوششوں کو جو وہ اسے آبائی دین پر لوٹانے کے لئے کر رہے تھے، ناکام بنا دے۔ اللہ کریم نے اپنی مومنہ کی دعا اس طرح قبول کر لی کہ ایک بیوہ خاتون جس کی اپنی چار بیٹیاں تھیں اور اس کا واحد کفیل اس کا جوان بیٹا تھا، وہ ثناء کے عزم و

استقامت سے بہت متاثر ہوئی۔ اس نے ثناء کے سر پر دست شفقت رکھا اور اپنے بیٹے محمد کا نکاح ثناء سے کرنے کی پیشکش کی۔ جو ثناء نے کچھ غور و خوض کے بعد قبول کر لی اور اب وہ ہنسی خوشی اس کی چار بہنوں اور بیوہ ماں کے ساتھ پر مسرت زندگی گزار رہی ہے اور خدا سے ہر لمحہ اسلام پر استقامت کی دعا کرتی رہتی ہے۔

○○○

بقیہ جھوٹ ایک عظیم گناہ

ایک شوہر و بیوی میں اختلاف کو دور کرنے کے لئے، دوسرے مسلمانوں میں باہمی تعلقات کی اصلاح کے لئے اور تیسرے میدان جنگ میں، علماء نے لکھا ہے کہ ان کے علاوہ اور کسی جگہ یا کسی موقع پر کذب بیانی اور جھوٹ بولنا ہرگز درست نہیں، لیکن ہاں مجبوری کی حالت اس سے مستثنیٰ ہے، اگر انسان کو مجبور کر دیا جائے اور اسے اپنی جان کا خدشہ لاحق ہو تو ایسی صورت میں جھوٹ بول کر جان بچانے کی رخصت دی گئی ہے، اس صورت میں وہ گنہگار نہیں ہوگا، جھوٹ ایسی منخوس چیز ہے کہ اس کے بولنے والے کے پاس سے فرشتے بھی دور ہٹ جاتے ہیں، ایک حدیث میں ہے کہ جب بندہ جھوٹ بولتا ہے تو فرشتے اس کی بدبو کی وجہ سے ایک میل دور چلے جاتے ہیں۔ (ترمذی) ایک مرتبہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا، کیا مومن بزدل

ہو سکتا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہاں، پھر سوال کیا گیا کیا مومن بخیل ہو سکتا ہے؟ فرمایا ہاں، پھر پوچھا گیا کیا مومن جھوٹا ہو سکتا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں۔ دیکھا آپ نے اس حدیث میں مسلمان بزدل بھی ہو سکتا ہے، بخیل بھی ہو سکتا ہے لیکن جھوٹا نہیں ہو سکتا، ہمارا حال یہ ہے کہ کوئی بھی کام ہمارے پاس جھوٹ کے بغیر نہیں ہوتا، پھر ہمارے حالات کیسے درست ہوں؟ ایک دوسری حدیث میں آپ نے صراحت کے ساتھ فرمایا کہ تم جھوٹ سے بچو کیونکہ جھوٹ گناہ کی طرف لے جاتا ہے اور گناہ جہنم کی طرف لے جاتا ہے، آدمی ہمیشہ جھوٹ بولتا ہے اور جھوٹ کے پھیلانے میں رہتا ہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک کذاب لکھ دیا جاتا ہے، دراصل جھوٹ ایسی بری صفت ہے جو کسی مسلمان کے شایان شان نہیں، ضرورت اس بات کی

ہے کہ ہم جھوٹ بولنے سے احتیاط کریں اور ہمیشہ سچ بات کہنے کی عادت ڈالیں۔ اپنے بچوں کے دلوں میں جھوٹ سے نفرت پیدا کریں، سچائی کی اہمیت اور محبت اپنے بچوں کے دلوں میں ڈالیں اور یہ بتائیں کہ سچائی ہمیشہ نجات دلاتی ہے اور جھوٹ انسان کو ہلاک و برباد کر دیتی ہے، بلکہ ایک حدیث میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص جھوٹ بولنا چھوڑ دے، اگر چہ وہ باطل ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت کے صحن میں گھر تعمیر فرمائیں گے۔ (ترمذی) لہذا کوشش کریں کہ ہم ہر جگہ سچی بات کریں اور سچ کو اپنی زندگی میں داخل کریں، تب ہی ایک صالح اور پاکیزہ معاشرہ وجود میں آ سکتا ہے جو وقت کی بھی اہم ضرورت اور انسانی تقاضا بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو جھوٹ سے بچائے اور ہمیشہ سچ بولنے، سچی بات کہنے کی توفیق عطا فرمائے۔

○○○

آر وقائم تری ملت کی جمعیت سے تھی

ہم سے تھراتے تھے۔ ہم دنیا کے ایسے حاکم بن گئے تھے کہ تہائی سے زیادہ حصہ پر ہم قابض ہو گئے تہا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی فتوحات کا رقبہ 22 / لاکھ مربع میل مورخین نے لکھا ہے۔ مسلمانوں کی مملکت ہارون رشید کے زمانے میں اتنی وسیع ہو گئی تھی کہ سر پر گزرنے والی بدلی کو دیکھ کر ہارون رشید کہا کرتا تھا:۔ امطری حیث شئت سیئاتی نی خراجک الیننا * اے بدلی! جہاں تیرا جی چاہے وہاں جا کر برس، تیری بارش کی پیداوار خراج ہمارے بیت المال میں آئے گا۔ ہمارے اتحاد و اتفاق نے سماج کو اتنا وقار و بلندی دی اور اس مقام تک پہنچا دیا کہ صنعا سے حضرموت تک ایک ضعیف سونے چاندی کے زیورات لادے اطمینان سے چلی جاتی تھی اور اسے خدا کے سوا کسی کا خوف اور ڈر نہیں ہوتا تھا۔ ایثار و قربانی اور خیر خواہی کا مسلم سماج بلکہ انسانی سماج میں ایسا جذبہ پیدا ہو گیا تھا کہ خود بھوکا رہ کر کھانا مہمانوں کو کھلا دیا جاتا تھا اور اس خیال سے گھر کا چراغ بجھا دیا جاتا تھا کہ مہمانوں کو میزبان کے بھوکے رہنے کا احساس تک نہ ہو۔ اخوت و بھائی چارگی محبت و شفقت اور فدا کاری کی اعلیٰ اور پاکیزہ تعلیم نے ہم کو ایسا انسان بنا دیا تھا اور وہ کردار ہم کو عطا کیا تھا کہ میدان جنگ میں زخموں سے چور تڑپتے سسکتے مسلمان اپنی مہمان دینا گوارا کر لیتے لیکن اپنے بھائی سے پہلے پانی پینے کے لئے تیار نہیں ہوتے تھے۔ غرض اتحاد و اتفاق اور جمعیت کی وجہ سے ہم ثریا پر پہنچ گئے تھے دنیا عقیدت سے ہمارے لئے اپنی نگاہوں کو

سچائی ہے کہ جب ہم مسلمان متحد تھے آپس میں سیسہ پلائی دیوار کی طرح تھے جب ہم فرقہ فرقہ نہ تھے مختلف ٹولیوں اور گروہوں میں اپنے وجود و ملت کو باخفا نہیں تھا۔ جب الفت و مودت، صداقت و محبت، مواخات و مواسات، خلوص و اخوت، تعاون و اشتراک اور ہمدردی و نغمساری ہمارا شعار تھا جب اپنائیت بھائی چارہ دوستی و صلہ رحمی پریم و وفاداری اور اتحاد و یکجہتی و غمخواری کے پاکیزہ جذبات ہماری رگوں میں خون بن کر دوڑتے تھے جب ہم مسلمان ایک جسم کے مانند تھے جب ہم میں سے ایک کی تکلیف سب کی تکلیف ایک کا دکھ سب کا دکھ ایک کا ماتم سب کا ماتم ایک کی ذلت سب کی ذلت ایک کی خوشی سب کی خوشی ایک کی ترقی سب کی ترقی اور ایک کی عزت سب کی عزت تھی۔ جب ہم نے تعصب و قومیت اور اونچ نیچ اور اشراف و ارزاں کے جاہلی تصورات کھرچ ڈالا تھا اور معاشرے سے رسم و رواج کی بو جھل بیڑیوں کو محبت و الفت کی تلوار نے کاٹ ڈالا تھا۔ امیر و غریب چھوٹے اور بڑے اور شاہ و گدا کے فرق کو احساس اخوت و مساوات نے کچل ڈالا تھا۔ اس وقت ہم پوری دنیا پر حاکم ہو گئے تھے۔ قیصر و کسری اور اس کے چٹے بٹے سب

آر وقائم تری ملت کی جمعیت سے تھی جب یہ جمعیت گئی دنیا میں تو رسوا ہو ڈاکٹر علامہ اقبال مرحوم کا جب بھی یہ شعر ذہن و دماغ میں گردش کرتا ہے نظر سے گزرتا ہے تو مسلمانوں کے شاندار و تابناک ماضی اور دردناک حال کی تصویر سامنے آ جاتی ہے اور مسلمانوں کے موجودہ زوال و پستی اور انحطاط و تنزلی کے اسباب و وجوہات عیاں ہو جاتے ہیں۔ علامہ اقبال مرحوم کا یہ شعر یقیناً بہت سے دیوانوں اور کلیات پر بھاری ہے جس کے بارے میں بجا طور پر کہا جاسکتا ہے کہ سمندر کو کوزے میں بند کر دیا گیا ہے اور ہزاروں صفحات کے مضامین و مطالب کو ایک شعر میں ادا کر دیا ہے۔ ڈاکٹر علامہ اقبال صاحب مرحوم نے ان تمام قرآنی آیات اور احادیث نبویہ کو جن میں مسلمانوں کو متحدر بننے اور اختلاف و انتشار اور باہم تفرقہ بازی سے گریز کرنے کی تلقین کی گئی ہے اور جس اختلاف و افتراق کے سنگین اور بھیانک نتائج اور انجام کو گفت فاشلو او تذهب دیکھ کر (تو تم سب ناکام ہو جاؤ گے اور تمہاری ہوا اکٹری جائے گی) کی صورت میں ظاہر کر دیا ہے۔ ان تمام مضامین کو اس شعر میں بڑی خوبی کے ساتھ ادا کر دیا ہے۔ یہ

فرش راہ بناتی تھی چپے چپے میں ہماری عظمت و انسانیت اور کردار دکارناے کے گیت گاتے جاتے تھے۔ لیکن جب ہم آپس میں منتشر ہو گئے تسیح کی دانوں کی طرح بکھر گئے ہماری جمعیت ختم ہو گئی تو دنیا میں ہم رسوا اور ذلیل ہو گئے ہماری ہوا اکھڑ گئی ہم اپنے قدر دانوں کی نگاہ ہی میں مبغوض ہو گئے۔ ملت اسلامیہ کے وقار کا سکہ جو صدیوں رائج رہا دنیا کی نگاہ میں وہ سکے کھوٹے قرار دے دئے گئے۔ مغلوبیت و محکومیت کے سیاہ بادل ہم پر ہر طرف سے چھا گئے۔ مسائل و مشکلات کے طوفان ہر طرف چھا گئے اور اب تو حالت یہ ہے کہ باطل اور استعماری طاقتیں ہمارے نونہالوں نوجوانوں عورتوں مردوں اور بوڑھوں سب کے اندر سے ایمانی روشنی کو بے نور اور ختم کرنے کے لئے کوئی کسر نہیں چھوڑنا چاہتی وہ ہمیں نام کا مسلمان بھی دیکھنا پسند نہیں کرتی تا آنکہ ہم اپنے شعار اور خصوصیات کے ساتھ زندہ رہیں۔ آج پوری دنیا میں اور خصوصاً عالم اسلام اور برصغیر میں ہماری پوزیشن یہ ہے کہ کتنے ہم رنگ عرب تا بنجم ہیں ہم لوگ ہر جگہ کشیدہ شمشیر ستم ہیں ہم لوگ، پروفیسر برناڈ شاہ نے ہمارے ماضی اور حال کا تجزیہ کرتے ہوئے کہا تھا۔ اسلام دنیا کا سب سے اچھا مذہب مگر مسلمان اس وقت دنیا کی سب سے بدترین قوم ہے آخر ایسا کیا ہوا کہ ہم اس بلندی سے اس پستی اور حقارت و تنزلی کے مقام تک پہنچ گئے۔ اقبال مرحوم نے اس کی وجہ (قرآن مجید اور احادیث کی روشنی میں) اپنے اس شعر میں بیان کر دیا ہے کہ آبرو قائم تری ملت کی

جمعیت سے تھی جب یہ جمعیت گئی دنیا میں تو رسوا ہوا لہذا وقت تقاضا کہ ہم شاندار اور روشن دتا بناک ماضی کی طرف لوٹیں ملت کی جمعیت کو دوبارہ زندہ کریں اپنے اختلاف و انتشار کو دور کریں اپنی قوت کو اکٹھا اور مجتمع کر کے اسلام کی شان و شوکت کا مظاہرہ کریں۔ اقبال کی اس صدا پر لبیک کہیں کہ ایک ہو مسلم حرم کی پاسبانی کے لئے نیل کے ساحل سے لے تا بخاک کا شاعر دوسری جانب ہمیں اس وقت یہ دھیان میں رکھنا چاہیے کہ اس وقت پوری دنیا میں مسلمان جن خطرات و مشکلات سے گھرے ہوئے ہیں جن مسائل میں الجھے ہوئے ہیں جن چیننجوں کا انہیں سامنا ہے اور تاریخ کے جس نازک ترین دور سے گزر رہے ہیں شاید تاریخ میں اس سے پہلے بہت کم اس طرح کے حالات کا سامنا کرنا پڑا ہو۔ باطل طاقتیں ہر چہاں جانب سے اسلام کے خلاف محاذ کھول کر اسلام اور مسلمانوں کو تختہ مشق بنا رہی ہیں اور خود مسلمانوں میں اسلام اور مسلمانوں کے خلاف ہمارے مخالفین ایسے افراد تیار کر رہے جو داخلی طور پر مسلمانوں کے لئے خطرہ اور زحمت بن رہے ہیں۔ یہ حالات اس بات کی ہرگز اجازت نہیں دیتے کہ ہم مسلمان اپنی طاقت و توانائی ان فروغی مسائل میں صرف کریں جو بحث و تحقیق کے مراحل سے گزر چکے ہیں اور صدیوں سے مسلمان ان پر عمل کرتے چلے آرہے ہیں۔ یہ وہ موقع نہیں ہے کہ کسی فقہی مسلک کی کسی ایک ایسے مسئلے کی وجہ سے مخالفت کریں جو کوئی بنیادی اہمیت نہیں رکھتا۔ جس سے امت کی کوئی خدمت نہیں ہوتی۔

حالات کا تقاضا ہے کہ اپنی توانائی صرف تعمیری کاموں میں صرف کی جائے اور اپنی کوششوں کا محور و مرکز اخلاقی بگاڑ، مشرکانہ عقائد، جاہلی رسم و رواج اور غیر اسلامی بود و باش کی اصلاح کو بنایا جائے۔ اسلامی مفادات کے لئے فروغی اختلافات کو پس پشت ڈال دیا جائے۔ اسلامی اصولوں کے لئے چھوٹی چھوٹی بحثوں کو ترک کر دیا جائے۔ کیوں کہ مسلمان جب بھی اس طرح کی بحثوں میں اور فروغی مسائل میں الجھتے ہیں دشمنوں کو مسلمانوں کے خلاف کام کرنے کا اور زیادہ موقع مل جاتا ہے اور وہ اپنی کوششیں ہمارے خلاف اور تیز کر دیتے ہیں۔ نباض ملت مفکر اسلام حضرت مولانا علی میاں ندوی رح نے ایک موقع پر خطاب کرتے ہوئے فرمایا تھا: ائمہ مساجد، خطباء اور علماء اپنی ذمہ داریاں سمجھیں اور ملک میں انتشار بڑھانے والے مسائل چھیننے کے بجائے معاشرہ کی اصلاح پر توجہ فرمائیں۔ اس سے ملک کی بھی خدمت ہوگی اور عالم اسلام کی بھی۔ اس وقت صورت حال یہ ہے کہ مغربی تہذیب فاتحانہ پیش قدمی کر رہی ہے۔ جو صرف ثقافت ہی نہیں تمدن و سیاست میں بھی انقلاب چاہتی ہے۔ وہ شرافت کا معیار بدل کر سیادت میں تبدیلی چاہتی ہے۔ وہ اسلامی بنیادوں کو ہلا دینے کی کوشش کر رہی ہے۔ وہ اس ملک کی بنیاد ہلا رہی ہے، اسلامی معاشرت تبدیل ہو رہی ہے۔ اسلامی تمدن دم توڑ رہا ہے۔ مسلمان ذہنی و فکری ارتداد کے شکار ہو رہے ہیں۔ اس حال میں ہمارے یہاں علم غیب کی بحثیں چل رہی ہیں۔

بشریت رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر مناقشے ہو رہے ہیں۔ توقع نہ تھی کہ اس نازک دور میں جب کہ ہمارے سروں پر خطرہ کی تلوار لٹک رہی ہے اس طرح کی بحثیں چھیڑے گا۔ لیکن اس دنیا میں سب کچھ ممکن ہے۔ ہو سکتا ہے ہم اپنی توانائی و طاقت فراست و ذہانت ان فروغی و ذمائی بحثوں میں ضائع کر رہے ہوں اور اس آن مغربیت ہمارے ملک و ملت پر غلبہ حاصل کر رہی ہو۔ آپ تو متاع اسلام کو پانے کی کوشش کریں۔ جب یہ فوج جائے گی تو

ان مسائل کی بحث کا موقع ہوگا۔ آئیے نباض ملت اور شاعر مشرق کی اس درد کڑھن اور کسک کو محسوس کریں۔ وسعت قلب و نظر کی جیتی جاگتی مثال اور تصویر پیش کریں تمام مکاتب و مسالک فکر کے نمائندے آپس میں متحد ہو کر اسلامی اخوت و اتحاد کا عملی نمونہ پیش کریں اور اسلام کی سر بلندی کے لئے آپس میں شیر و شکر ہو جائیں یہ وقت کی آواز اور پکار ہے اور یہی حالات کا تقاضا اور مشکل ملی اور قومی و ملکی مسائل کا حل ہے۔ آئیے ہم سب

ایک بار پھر عزم کریں کہ ہم ہر طرح کے جزوی، فروغی اور فقہی اختلاف کو بھول کر ایک ملت کی حیثیت سے زندہ رہیں گے جب ہمارا خدا ایک، ہمارا رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) ایک ہماری کتاب ایک تو پھر کیوں نہ ہم دنیا میں ایک ہو کر دنیا کی سب سے بڑی طاقت بن کر ابھریں۔

حرم پاک بھی اللہ بھی قرآن بھی ایک کچھ بڑی بات تھی ہوتے جو مسلمان بھی ایک

○○○

رضوان کے سالانہ خریداروں سے گزارش

یہ بات آپ کے علم میں ہے کہ ماہنامہ رضوان کی اشاعت خالص تبلیغی مقاصد کو پیش نظر رکھ کر کی جاتی ہے۔ کوئی تجارتی کاروباری مفاد اس اشاعت میں پیش نظر نہیں ہے۔ چنانچہ ۴۰ صفحات کے اس رسالے کی قیمت انتہائی کم (فی شمارہ صرف تیس روپے اور سالانہ خریداری-300/ روپے) ہے۔ ہمارے پیش نظر نفع بخش کاروبار نہیں بلکہ ہم اپنے وسائل میں رہتے ہوئے رضوان کے ذریعے پیش بہا مضامین شائع کرتے ہیں۔ اس ضمن میں رضوان کے سالانہ خریدار بھی اہم کردار ادا کر سکتے ہیں۔ اگر تمام سالانہ خریدار اپنی ذمہ داری محسوس کرتے ہوئے بروقت اپنی سالانہ رقم ”ادارہ رضوان“ کو بھیج دیں تو وہ بھی ہماری ان تبلیغی کوششوں میں معاون ہوں گے۔

سالانہ خریداروں سے گزارش ہے کہ مدت خریداری ختم ہونے پر زور سالانہ کی ترسیل میں جلدی فرمائیں۔ ہر ماہ سرخ نشان کے ذریعہ ان کو اطلاع دی جاتی ہے۔ اور مئی آڈر فارم بھی روانہ کیا جاتا ہے۔ تاکہ یاد دہانی ہو سکے۔ یاد رکھئے! زور سالانہ کی بروقت عدم وصولی سے ادارے پر مالی بوجھ بڑھتا ہے اور پچھلے کچھ عرصے سے اس میں اضافہ ہی ہوا ہے لہذا سالانہ خریداروں سے گزارش ہے کہ رضوان کی مدت خریداری ختم ہوتے ہی زور سالانہ کی ادائیگی کریں تاکہ ادارے پر مالی بوجھ نہ پڑے بصورت دیگر اگر آئندہ ”رضوان“ خریدنا نہیں چاہتے، جب بھی خط لکھ کر یا بذریعہ فون اس بارے میں دفتر رضوان کو مطلع فرمادیں۔ نیز اپنا خریداری نمبر یا جس نام سے رسالہ جاری ہے وہ پتہ صاف اور خوشخط ضرور لکھیں۔ آپ کا تعاون اس دینی سعی و کوشش میں ہمارے لئے نہایت اہم اور ”رضوان“ کے معیار میں اضافے کے ساتھ آپ کیلئے کار خیر کا ذریعہ بن سکتا ہے۔

قارئین رضوان سے گزارش ہے وہ اپنا سالانہ چندہ مندرجہ ذیل اکاؤنٹ میں جمع کر سکتے ہیں۔

Bombay Mercantile Co-operative Bank, Lucknow-18
Name of Account "RIZWAN MONTHLY", Account No. : 205110100005299
IFSC Code : UTIBOSBMCBI

نوٹ: رقم ڈالنے کے بعد دفتر کو مطلع ضرور کریں ورنہ رقم آپ کے کھاتے میں منتقل نہ ہوگی۔ اس نمبر پر مطلع کریں Cantt. No. : 9415911511